ایلافِ وفا

منصف ہاشمی

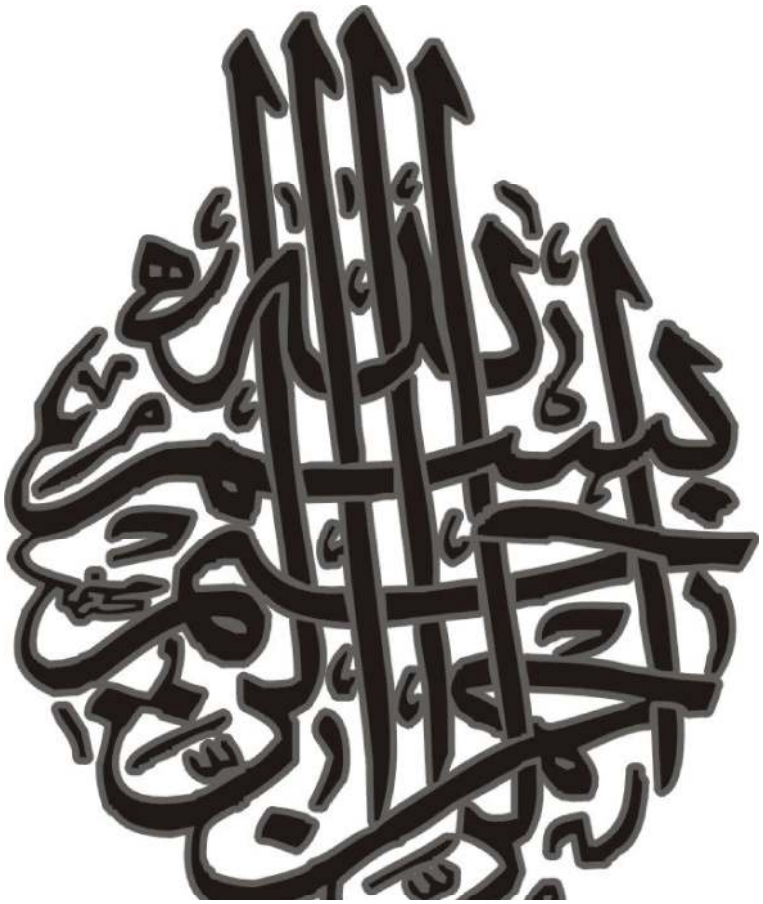

اِیلافِ وفا

(نثری نظمیں)

منصف ہاشمی

حسنِ ادب، فیصل آباد

ASIAN RESEARCH INDEX

OPEN ACCESS

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمام حقوق بحقِ محمد عون عباس محفوظ ہیں

کتاب:	اِیلافِ وفا
شاعر:	منصف ہاشمی
طبع اول:	مئی ۲۰۲۱ء
کمپوزنگ:	شاہد فاروق
پروف ریڈنگ:	لاریب فاطمہ، آئمہ فاطمہ
تزئین وسرورق:	ڈاکٹر عارف حسین عارفؔ
اہتمام:	حسنِ ادب فیصل آباد
قیمت:	۴۰۰ روپے
رابطہ نمبر:	0314-3022192
	0302-7206512

ARI ID: 1689953282333

انتساب

قیس بن ذریع اللیثی اور لبنیٰ

کے نام

ترتیب

❖ منصف ہاشمی کی نثری نظمیں 7
❖ موسم 9
❖ اے رب العالمین! 14
❖ ارادھنا 15
❖ المدد 17
❖ ارادھنا (کرونا وائرس کے تناظر میں) 20
❖ رونقِ مہتاب 35
❖ نعت 36
❖ ارادھنا 37
❖ ارداس 49
❖ سلام 50
❖ ارادھنا (کرونا وبا کے تناظر میں) 52
❖ ارداس 57
❖ سلام 58
❖ سلام 59
❖ آخری ملاقات 69
❖ اسرارِ خمار 70
❖ خیر العمل 71
❖ تمنا 74
❖ اسیر 75
❖ جو خانہ بدوش ہوتا ہے 77
❖ جن خیالوں میں 93
❖ جنوں 94
❖ آوارگی 95
❖ جدائی 97
❖ لسانِ فسوں 98
❖ زاویہ 100
❖ فلسفہ 100
❖ وہ۔۔۔! 101
❖ تلازمہ 102
❖ سہ نثری 103
❖ بہت رلاتا ہے 104
❖ آرزو 107
❖ ایلافِ وفا کا تجزیاتی مطالعہ 108
❖ فیض یابی 116

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

منصف ہاشمی کی نثری نظمیں

نثر اور نظم میں کیا فرق ہے؟ نور اللغات میں ''نثر'' کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔''وہ عبارت جو نظم نہ ہو''۔یعنی لفظ ''نثر'' کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اسے ''نظم'' کے منفیانہ یا تنسیخی معانی سے ہی پہچانا جائے۔۔۔نثر کے لغوی معنی ہیں: ''پراگندہ''، ''بکھرا ہوا''۔اس کی صفات میں ''خشک''، ''غیر شاعرانہ'' وغیرہ الفاظ تقریباً ہر لغت میں پائے جاتے ہیں۔نثر کو نظم سے قریب تر لانے کے لیے جو حربے استعمال کیے گئے ان میں جملوں کے آخری الفاظ کا مقفیٰ ہونا شرطِ اول تھی۔گویا نثر پر نظم کو مسلط کرنا شرطِ اول تھی، نہ کہ نظم پر نثر کی فوقیت کو جتانا۔درحقیقت نثر نگاری دوسرے درجے کی ادبی کاوش ہے جب کہ نظم گوئی سرِ فہرست تھی۔ بیسویں صدی کے آخری تیس چالیس برسوں میں ''نثری نظم'' کو ادبی جریدوں میں جگہ ملنی شروع ہوئی۔لیکن اردو نے کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ ''غزل گو'' یا ''نظم گو'' کی جگہ ''غزل نویس'' یا ''نظم نویس'' بطور اصطلاح تسلیم کیا جائے۔''سخن'' کا مطلب ''بات'' نہیں بلکہ ''موزوں بات'' تسلیم کیا گیا۔اس کے لوازمات میں آہنگ، لہجہ (صوت)، زحافات کو صفِ اول میں جگہ دی گئی۔

منصف ہاشمی کو فیس بک اور رسائل کی وساطت سے میں دو دہائیوں سے پڑھ رہا ہوں۔ارکان اور زحافات سے معرا ہونے کے باوجود ان کا آہنگ ایسے بیانیہ پر مبنی ہے جس میں نظم کی خصوصیات موجود ہیں۔ترصیع، تجنیس، سجع، آہنگ اور سب سے بڑھ کر امیجری، شعریات کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔مترنم نہ ہونے کے باوجود ان کا بیانیہ شاعرانہ غنایت کا حامل ہے۔ان کی نظمیں مضمون نگاری کے حوالے سے خیال بندی اور معاملہ بندی کی شرائط پر بھی پورا اترتی ہیں۔

موضوعات کے حوالے سے ان کی نظموں میں مجھے شروع جوانی کی ملائمت اور عمر کی پختگی سے حاصل شدہ زاویہ دار خمیدگی کا ایک انوکھا امتزاج نظر آیا، جو بہت کم شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ان میں ایک طرف تو جہاں (شخصی کم اور غیر شخصی زیادہ) تجربات اور انسانی رشتوں کے سلسلہ امکانات کو دیکھنے اور پرکھنے کے

لیے ایک معصوم زاویہ نگاہ موجود ہے۔ وہاں کچھ ایسے عینی خصائص بھی ہیں جو جذبات سے کچھ آگے بڑھ کر ان کو دانش وفہم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

کوئی بھی تخلیق (اور خصوصی طور پر نظم) موضوع اور مضمون کے انتخاب کے علاوہ شاعر کی زبان دانی یا لسانی اہلیت کی ایک معتبر گواہ ہوتی ہے۔ زبان خود اپنی طرف قاری کی توجہ مبذول کروالیتی ہے۔ یعنی جس موثر طریقِ کار سے زبان کا رکھ رکھاؤ خارج کے تناظر میں نہیں، بلکہ خود اپنے آپ میں قاری کے دھیان کو سمو کر، اسے آگے پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ طریق کار منصف ہاشمی بآسانی بروئے کار لاتے ہیں اور اس طرح قاری کو اپنی تحریر کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

ستیہ پال آنند

موسم

موسم بنیادی طور پر خود نظر نہیں آتا لیکن یہ اپنی نشانیوں کی وجہ سے محسوس و معلوم ہوتا ہے۔ یہ وقت کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے، گردشِ ایام کی حدود و قیود کو خیالات اور اعمال احساسات کی نظریاتی تشکیل و ترکیب کا سبب بناتا رہتا ہے۔ یہ اسراری امکانات کے منکرین سے چند سوالات رکھتا ہے۔ پھر ثابت حیثیت کے زمان و مکان کی تشریح میں مہاجر پرندوں کی مثالیں سمو کر، اعتراضات کو جذبات میں تقسیم کر دیتا ہے۔ زمانی نظریات کو طبیعی فکر کے متوازی رکھتا ہے۔ کھلتے پھولوں میں سوچ جھنجھوڑ کر جگاتا ہے۔ پھر عقل کل کے معانی کو فکر کل کے دائروں سے ملاتے ہوئے، مرکز شعور تک لا کر، پہلی پہچان سے اُبھرنے والی سرگوشیوں کو خواب زدہ بڑبڑاہٹ یا رویا کی حالت سے روشناس کرا دیتا ہے۔ یہاں ذہنی کیفیت بدلتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگ اسے ہزیان۔۔۔تو کچھ لوگ اسے ذہنی روشنی کے معیار میں ڈوبی زمانی خصوصیت قرار دے کر، ظاہری مماثلت اور باطنی تغیرات کے حقیقی یقین کا ثبوت سمجھتے ہیں جو طرزِ بیان میں، تعلقات شعور کے نظام احساسات میں شمسی جنوں، قمری فسوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

تعمیری عقیدتوں میں جن ستاروں کی نشان دہی ہوتی ہے وہ فطری ادراک کی تعریف میں درد کے صحیفوں کا ذکر کرتے ہوئے، اُن پودوں سے بھی ملاقات کرواتے ہیں جن کی ایک ہی شاخ پر پھول اور زرد سبز پتے ہوتے ہیں، جبکہ پھولوں کا رنگ پتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ حالانکہ خوراک روشنی، ہوا اور پانی دونوں کو ایک ہی زمین اور ماحول میں دستیاب ہوتی ہے۔ اُسی پودے کی جڑوں میں گھاس پھونس اور جڑی بوٹیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔ وہ بھی اُسی ماحول اور زمین سے اپنی ضروریات پوری کر رہی ہوتی ہیں۔ لیکن اُن کی تاثیر اور کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت مختلف جزیروں سے آنے والے پرندے اور تتلیاں بھی کر دیتے ہیں۔ پرندوں کی وجہ سے مختلف سوچیں بیدار ہو کر، حقیقت و مجاز کا فرق واضح کرتی ہیں۔

جذباتی کیفیت کی تفہیم میں اعزازی معجزہ بھی رونما ہوتا ہے۔ جو فطری قانون کے تحت بہتے چشموں میں تڑپتی سبز حقیقت بیان کرتے ہوئے، دائم بقا کی تلاوت کرتا ہے۔ پھول پتوں میں موجود روح کی تشریح

کرتے ہوئے، بہار کے دائرے عمل اور ردِعمل کے فطری علم کے دروازے کھولتا رہتا ہے۔ مطالعاتی تعلق کو مشاہدہ، فہم، بیان اور سلسلہ اسلوب قریب لاتا ہے۔ پھر بیان سے وضاحت تک لاتے ہوئے، پیش گوئی کی طاقت بھی عطا کر دیتا ہے۔ آنے والے دور میں تحقیقات، مشاہدات اور نفسیات کے منظر بدل جاتے ہیں۔ پھر بھی اعتبار، فطری کیفیت کے سینے سے لگ کر رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے گل داؤدی سے گل مریم تک راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ چاندنی راتوں میں خماریوں اور اختر شماریوں کی تشریح ہونے لگتی ہے۔ اسی فسوں میں جوابدیت کے صحیفوں میں معبودیت کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں وہ گلاب و شبنم کے ساتھ خوشبو کے مفسر، شارع کو پاگل کہتے رہتے ہیں۔ لیکن مجھے ایسے سلسلوں میں پرندوں کے گیتوں، شمس و قمر کی سرگوشیوں سے محبت تھی۔ شاید میرے خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے ایسا تھا؟

میں مدتوں سے خانہ بدوش، سیلانی، آوارہ کرنوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے، ہواؤں کے ساتھ محوِ سفر تھا۔ جہاں کہیں ثبوت خلیل کے ساتھ کوئی منظر بلاتا۔۔۔ میں چلا جاتا۔۔۔!

پڑاؤ کی کیفیت میں رنگ جلیل کے والہانہ تبسم کا رشک جمال کی رحل پر صحیفہ کھول کر، تلاوت کرنے لگتا۔ خانہ بدوشی میں آوارگی پیاس کی طرح بڑھتی ہی رہی جس کی وجہ سے شہروں اور بستیوں سے نکل کر، سیاہ پہاڑیوں کے سلسلے سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ کبھی کوئی قافلہ یا صحرائی آدمی مل جاتا جس کی وجہ سے حقیقت کی سادگی میں گرفتار بھوک کی پیچیدگیوں سے بچ کر، بہت سی مشکلات سے بچ جاتا۔ ایک دن صحرا میں اسی آوارگی کی حالت میں ہوا کا دامن پکڑے محوِ سفر تھا کہ یکا یک مجھے ایک غار کی دہلیز پر اپنے گھٹنوں میں سر دیے۔۔۔ ایک شخص نظر آیا۔ وہ نہ جانے کن خیالوں کی گتھیاں سلجھا رہا تھا۔ میں صحرائی ریت میں چھپے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے، اُس کے قریب چلا گیا۔ میں نے قریب جا کر! اُسے سلام کیا۔۔۔! اُس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور صرف سر ہلایا۔

میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگا۔۔۔!

مجھے نہیں معلوم، میرا نام کیا ہے؟ لیکن میرا باپ مجھے کبھی ابنِ آدم۔۔۔ کبھی عبداللہ کہتا تھا۔ اور جب مجھے ڈھونڈنے نکلتا، تو انھی ناموں سے پکارتا تھا۔ وہ بہت غریب تھا لیکن مجھے غربت کا احساس ہونے نہیں دیتا تھا۔ وہ اکثر مجھے دو سانسوں کے بیچ وقفے کے بارے میں سوچنے پر اُکساتا۔ وہ سانسوں میں فرق کرنے

پر بھی بولتا۔ اندر جانے والی سانس کیسی ہے؟ باہر آنے والی سانس کیوں باہر آتی ہے؟ سانسوں کے بیچ وقفہ کیوں ہے؟ اس کے بیچ چاند نہ ہو تو رات کی حقیقت کیا؟ رات نہ ہو تو چاند کی حقیقت کیا؟ اس طرح کے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے کی نصیحت کرتا۔ جبکہ میں صرف اتنا سوچتا، کہ مصروفیت ہونے کی وجہ سے انسان اس طرح کے سوالوں کے جواب ڈھونڈ نہیں سکتا، کیونکہ بچپن کی اپنی مصروفیات ۔۔۔ اور نوجوانی، جوانی اور بڑھاپے کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں۔ بچپن یاد نہیں۔۔۔ جوانی کسے کہتے ہیں؟ یہ دیکھنے کا موقع ملا نہیں۔ جس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا: وہ آسماں پر ہی کہیں رہ گئی۔ میں زمیں پر سہمے ہوئے، سیلانی آوارہ ہونے کی تہمتیں جھیلنے کے لیے آ گیا۔

میں کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا۔ پھر اُس اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کا نام۔۔۔؟''

وہ انتہائی نرم لہجے میں بولا۔۔۔''لوگ مجھے بہلول کہتے ہیں۔''

مجھے صرف اتنا یاد ہے میری حویلی کے سامنے دریا بہتا تھا۔ حویلی میں صبح کے وقت پرندے آتے تھے۔ سارا دن جمالی فطرت کی تشریح کرتے، شام کو چلے جاتے تھے۔

میں اُس کے پاس ہی ریت پر بیٹھ گیا۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔!

میں آپ کو کس نام سے پکاروں۔۔۔؟

بہلول۔۔۔ صرف بہلول کے نام سے۔۔۔ اُس نے کہا اور پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر، بانہوں کا ہالا سا بنا لیا۔

لمحے رات کی ڈوری پکڑے بھاگ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے رات کی تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ بہلول جیسے بیٹھا تھا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ مجھے نہ جانے کب نیند آ گئی۔ میں کب سے، کب تک سویا۔۔۔؟ کچھ معلوم نہیں۔

میں سویا تھا؟ کسی کشتی میں سفر کر رہا تھا۔۔۔؟ کیا تھا؟ معلوم نہیں۔

لیکن جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا۔ بہلول مجھے جھنجھوڑ کر اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنکھ کھلی تو آسمان پر ہلکی ہلکی سفیدی شفق کے طلوع ہونے کے ساتھ نئے دن کے آنے کا اعلان کر رہی تھی۔

بہلول نہ جانے کیا کرتا پھرتا تھا۔لیکن اُس کی آواز مسلسل میرے کانوں میں آ رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا، کہ جب انسان اصل اور خواب میں فرق محسوس کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اسے آرزو کی رنگینی سے موسم کی حریت تک ! آبرو کے ذائقے آفاقی خمار سے روشناس کراتے ہیں۔حقیقی کیفیت میں نبی،علی، ہری اور کرشن وشنکر خواب بدلنے کی حقیقت کو جھوٹی تسلی کہتے ہیں۔ہاں اگر ازلیہ عقل کے دائروں میں سر بسجود کون ومکان کو دیکھیں،تو خواب میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے، کہ ہم خواب کی حالت میں ہیں۔اگر خواب میں بھی انسان یہ یاد رکھے۔۔۔یہ خواب ہے۔۔۔!تو اُلجھنوں اور اذیتوں سے نجات مل جائے گی۔حقیقت کو یاد رکھنا، پھر اُس کی تسبیح کرتے ہوئے مسلسل پرانی روش کی طرف آنا، پھر واپس حقیقت کی طرف لوٹ جانا، یہ بالکل ایسا ہی ہے ایک بستی سے دوسری بستی کی جانب چلے جانا۔جب یہ حقیقت کھل کر طلسم کے مناظروں میں عصرِ رواں کے بھید کھولنے کے قابل ہو جاتی ہے تو پھر انسان خواب میں بھی خواب کے مسائل حل کر لیتا ہے۔یہی وہ کائناتی مقام محمود ہے جہاں خواب حقیقت میں بدل جاتا ہے۔اسی مقام پر بہار پھولوں کی خالق ہے۔۔۔خزاں پھولوں کی قاتل ہے۔۔۔!

انسان اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔پھر یہی انسان اذان،نماز،ملکوت، جبروت، لاہوت، برزخ، یداللہ،آہٹ اور سبز لہجے کی،اس طرح باتیں کرتا ہے۔جیسے یہ بالکل اُس کے سامنے ہو۔

تم نے کبھی محسوس کیا۔۔۔تم ایک خواب کی باتیں کرتے ہوئے، دوسرے خواب میں داخل ہو گئے؟ تمھارے بالوں میں مختلف صحراؤں کی ریت چمک رہی ہے۔جس سے تمھاری صحرانوردی کا پتہ چلتا ہے۔تم نے سراب بھی دیکھے ہوں گے۔کبھی غور کیا؟ سراب میں کیا کیا نظر آتا ہے؟ حالانکہ یہ سب دھوکہ ہوتا ہے۔لیکن میرے نزدیک جسے تم سراب سمجھتے ہو، وہ دھوکہ نہیں ہوتا۔وہ تمھارا شعور ہوتا ہے جو ذہن کی غلام گردشوں میں ٹھوکریں کھاتی سوچ اور دل کی وادیوں میں بھٹکتی آرزو کی تصویر دکھا کر، روح کی کیفیت اور بدن کے اضطراب سے ذہن اور دل کو ایک محور کے قریب لانا چاہتا ہے۔لیکن تمھیں جو نظر آتا ہے تم اُس کی فکر میں گم رہتے ہو۔شعور کے نزدیک بھی نہیں آتے۔لیکن یہ ذہن، دل، دھڑکن کو نہیں بھولتا۔شعور کو جس طرح ذہن اور دل میں رکھنا چاہیے،تم ویسے نہیں رکھتے،اسی وجہ سے سراب میں اُلجھ کر،مزاج فطرت کے جمالی نظریات اور جلالی ثبوتوں سے بے خبر رہتے ہو۔یہ تمھیں گردشِ ایام کے سرخ سبز خیموں میں ایسے شبنمی

گیت سناتا ہے جس سے گزرتے لمحوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ پھر اسی دوران جب انسان مشکوک مجاز سے تسلیمی صادق معانیوں کی طرف آتے ہوئے، سورج چاند اور ستاروں کی گرہیں کھولنے کے قابل ہوتا ہے تو پھر اُس کی زبان پر۔۔۔!

تو مثالِ گل شاخوں سے نکل کر!
تہذیبِ وصال کی آئینہ داری میں!
جمالِ کائنات کے منظروں کو سجاتا ہے
تو پھولوں کی رگوں میں سماتے ہوئے!
صحرا میں باب آرزو کی دلیلیں اُتارتے ہوئے!
اے ربِ کریم!
وارفتگی کی محراب پر ترتیبِ عصر سنوارتے ہوئے!
سحر کے معانیوں میں تکوینِ جہاں کے پرندے بلاتا ہے۔
مکمل موسم کے گرد سبز آہٹوں کا حصار کھینچ کر!
شام کے سینے میں اُتر کر!
اذانوں کے سینے سے اُبھر آتا ہے۔
روح کے زخموں پر اثباتِ وفا کا مرہم بن جاتا ہے۔
اس طرح کی نثری نظموں کا وِرد جاری ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اے رب العالمین!

اے میرے مالک۔۔۔اے میرے خالق۔۔۔!
آسمانی نسترن عصرِ حنا کی سناں پر!
مردودوفا کی باتوں میں!
دل بسمل کی نسیم سحر کے ساتھ کہانی سناتی ہے
مجھے بہت تڑپاتی ہے
واقف کون ومکاں پہ درودسلام پڑھتے ہوئے!
چنار وصنوبر میں زعفرانی حسن دکھاتے ہوئے!
ہجر اور تنہائی کے زخموں کے روبرو۔۔۔!
عالم مسیحا کے وصال سے منسوب۔۔۔!
وصال مستجاب کا روپ صبح وشام دکھاتی ہے
مجھے بہت تڑپاتی ہے
میں تتلیوں پھولوں کے بیچ سورہ رحمٰن کی تلاوت کرتا ہوں
خزاں کے صحن میں سورہ یٰسین کی عبادت کرتا ہوں
ہوا زرد پتوں کو۔۔۔پھولوں کے صحیفے میں سمو کر!
دل کی ضربوں سے بھیگی آنکھوں کو!
ارغوانی پیالے میں ڈبو کر لاتی ہے
مجھے بہت تڑپاتی ہے
اے رب العالمیں۔۔۔! یہ دنیا مجھے بہت رُلاتی ہے

ارادھنا

اے ربِ رحیم وکریم۔۔۔!
اِن اللہ علیٰ کلِ شیءٍ قدیر!
میں خانہ بدوش، سیلانی، آوارہ!
تیری زمیں پر۔۔۔تیرے موسموں کے ساتھ محوِ سفر ہوں
تو کریم۔۔۔سبز موسم کا لباس پہن کر!
تو رحیم۔۔۔خوشبو کی طرح روح میں اُتر کر!
میرے تڑپتے سسکتے دل کو۔۔۔!
اپنی آغوش میں لے کر۔۔۔اپنے ہاتھوں سے سہلاتا ہے
دشتِ بیاباں میں دل فریب آہو بلا کر!
ستاروں کی سرگوشیوں میں!
نرم ٹھنڈی ریت پر سلا کر!
میرے خیالوں کے، حوالوں کی بدکتی ناقہ کو وحشتوں سے نجات دلاتا ہے
میرے تڑپتے سسکتے دل کو!
اپنی آغوش میں لے کر، اپنے ہاتھوں سے سہلاتا ہے

تو ہی خالق۔۔۔تو ہی مالک۔۔۔!
تیری کائنات میں اسرار جبرائیلؑ کے ثبوت موجود ہیں
نیاز الہام اور قلب نامہ بری کے!
چراغ نور کی روشنی میں مظہر خلیلؑ کے ثبوت موجود ہیں
تو مجھے بزم رقص سے۔۔۔!
کوہ قبیس کی طرف لسان شعور کے لہجے میں بلاتا ہے
مسافتوں کے مارے دل کو!
اپنی آغوش میں لے کر، اپنے ہاتھوں سے سہلاتا ہے
تیری وجہ سے
لوح و قلم کو بھی۔۔۔اپنے ہونے کا یقین ہے
تو ہی ''وھوعلی کل شیءٍ قدیر۔۔۔وھوعلی بکل شیءٍ علیم'' ہے
صبح و شام میرے ارادوں کو۔۔۔تو اپنی پہچان کرواتا ہے
مسافتوں کے مارے دل کو!
اپنی آغوش میں لے کر۔۔۔اپنے ہاتھوں سے سہلاتا ہے

المدد

(ارادھنا)

زندگی بھی، موت بھی تو دیتا ہے
موسموں کے راستے سنوار کر۔۔۔!
ابابیلوں، بلبلوں اور کبوتروں کو بھیجتا ہے
اے عشق۔۔۔!
پتھروں کو موم کرتے ہوئے بیاباں کو لالہ زار کرنے والے
میں تجھے سبز پتوں پر خط لکھ کر۔۔۔!
لذتِ حقیقت میں ڈوبے چشموں کا۔۔۔،
طواف کرنے والی ہواؤں کے سپرد کروں
تیرے زائروں کی۔۔۔!
صبح و شام خانقاہی دیواروں کو چومتا پھروں
تو تاثیرِ وصل کی انتہا۔۔۔
تو جوازِ ہجر کا مدعا
خواب کو جھنجھوڑتی۔۔۔تعبیر کی رگوں میں دوڑتی وفا
اے شافی۔۔۔!

تو ہی بیمار کرتا ہے۔۔۔تو ہی شفا دیتا ہے

اے خالقِ ارض وسما۔۔۔اے طبیبِ کون ومکاں۔۔!

میرا وسیلہ ہے خیر الوریٰ۔۔۔المدد المدد۔۔!

یا محصی ، یا محیطُ ۔۔۔المدد المدد

میں بہلول کی باتیں اطمینان سے سنتا رہا کیونکہ اس کی باتوں میں کہیں کہیں نثری نظم کا اسلوب خوب صورت انداز میں نظر آیا تھا۔ وہ سامنے والے شخص کی فکر آلود سوچ کو معنویت کے ساتھ، شفق کی تعلق داری میں لے آنے کا ماہر نظر آتا تھا۔ اسی لیے میں نے اپنے قیام کو طویل کرنے کا سوچا۔ شاید وہ میری سوچ کو پڑھ چکا تھا۔ اسی لیے وہ میرے بولنے سے پہلے بول پڑا۔

اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔خوشبو قید نہیں ہو سکتی۔ شاخیں ہوں گی تو پھول کھل سکے گا۔ بصورتِ دیگر صرف اک بیج ہے جس میں ساری دنیا قید ہے۔ اگر بیج کو سازگار موسم، زمین، روشنی اور پانی ملے گا تب ہی وہ روشنی، ہوا کے ساتھ پرندوں کو اپنی طرف بلانے کے قابل ہوگا۔ اسی لیے میں ایک جگہ رہ نہیں سکتا۔ آج ہواؤں کے ساتھ سورج سے باتیں کر رہا ہوں۔۔۔کل نہ جانے کہاں۔۔۔ستاروں کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہوئے، کس حالت میں پڑا ہوں گا۔۔۔!تم یہ سب چھوڑو! یہ بتاؤ تم کیا کرتے ہو۔۔۔؟

میں نے تمہید، دورانیہ، بیانیہ سب چھوڑ دیا۔ بس اتنا بتایا، کہ میں نثری نظم لکھتا ہوں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔خوب صورت۔۔۔! لگتا ہے، کہ تم اساطیر سے محبت کرتے ہوئے، ایسے غاروں میں سونا پسند کرتے ہو جہاں سے محبتوں اور چاہتوں کے صحیفے ملتے ہیں۔ تم ایسے برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھنا اور قیام کرنا چاہتے ہو جہاں سے نروان ملتا ہے۔ تم اُن وادیوں میں جانا چاہتے ہو۔۔۔جہاں ہوائیں گل بنفشہ سے گلے مل کر، ہمالیہ کی طرف بہار کے صحیفے کی تلاوت کرتے ہوئے چلتی ہیں۔ پھر گنگا جمنا کے دوآبے سے راوی اور چناب کے دوآبہ رچنا میں آتی ہیں، وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد چنار وصنوبر کا طواف کرتے ہوئے، کوہ لبنان کے دامن میں پھیلے صندلی جنگلوں میں جگنوؤں سے سرگوشیاں کرتی ہیں۔ پھر چند پھول

پتے کوہ قبیس کے غاروں میں کوہ سینا کے دامن میں رکھتے ہوئے ، کچھ عرصہ شمال مشرق اور جنوب مشرق کی وادیوں میں گھومتے ہوئے اک تکون بناتی ہیں۔ پھر فرات کے ساحلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ اکثر ایسے بھی ہوتا ہے۔ وہ علم کے دروازے نجف اشرف سے داخل ہوکر، شہرِ علم مدینہ کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ وہ شہرِ علم کی زیارت کرتے ہوئے ! دشتِ نینوا کی مسافتوں میں چند خیموں کے نقشے بنا کر۔۔۔!

چند خانقاہوں کا طواف کرنے لگتی ہیں۔

یہ ایسا سفر ہے جس میں ہوائیں نثری نظموں کی طرح سرگوشیاں کرنے کے ساتھ، بادلوں کو کندھوں پہ اُٹھائے ،نثری نظمیں ترتیب، دینا نہیں بھولتیں۔ وہ جدھر سے بھی گزرتی ہیں، نثری نظموں کا خوب صورت ہالا سا بناتی چلی جاتی ہیں۔ یہ سبز شعور کے حضور ارادھنا کرتی ہیں۔ انسانی ذہنوں کو سرور سے آشنا کر کے، خمار کی وادیوں میں لذت حرف ومعانی کے پھولوں کی خوشبو سے روشناس کراتی ہیں۔ کہیں مشتری، کہیں زہرہ کی طرح سعد تسدیس میں مشغول رہتی ہیں۔

ارادھنا

(کرونا وائرس کے تناظر میں)

اے خالق عصر۔۔۔اے مالک ''کن''۔۔۔!

مسجدوں کے دروازے بند ہیں

مندروں میں ہُو کا عالم ہے

آنسوؤں سے بھیگی صداؤں میں!

قاتل ہواؤں میں!

بچے گلیوں میں نکلتے نہیں۔۔۔کرفیو کا نفاذ بھی نہیں

اہلِ زباں۔۔۔حسن بیاں کے پھول کھلتے نہیں

اے خالق ارض وسما۔۔۔!

عنکبوتی تاروں کی طرح وبا کی موجودگی میں!

اسلوب کنعان میں ڈوبی جوانیاں،

موج زلیخا کی دلفریب روانیاں۔۔۔!

روایاتِ اذیت سے ڈرتے ہوئے گھروں سے نکلتی نہیں

اے ازل کے مالک۔۔۔اے ابد کے خالق۔۔۔!

یہ دنیا تیری ہی بنائی ہوئی ہے

جس کے سر پر وبا موت بن کے چھائی ہے

نشاطِ روح، سرورِ ازل، وعدۂ اول کو یاد کرتے ہوئے!

شبنمی گلابوں پر اُداسی چھائی ہوئی ہے

کوئلیں، فاختائیں اور عندلیبانِ چمن۔۔۔!

نہ جانے کن گمنام جزیروں کی طرف نکل گئی ہیں

اے رب دو جہاں۔۔۔ کچھ معلوم نہیں

رحم فرما۔۔۔ رحم فرما۔۔۔ اے حافظ حفیظ رحم فرما

بہلول مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔ اچھا تم نثری نظم لکھتے ہو۔ عہدِ حاضر کی اک معروف شخصیت جسے ریاض مجید کہتے ہیں۔ وہ اسے ثم کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس صنف کے لیے دونوں نام بہتر ہیں۔ لیکن میں ''ثم'' کو ذاتی طور پر پسند کرتا ہوں جو اس نام کو پسند نہیں کرتے، نثری نظم پر بضد ہیں۔ مجھے اُن سے بھی اختلاف نہیں۔

ادبی دنیا میں اک مندائیت کی شکل میں فرقہ ہے جو اس صنف کو آج بھی نہیں مانتا۔

تم جانتے ہو۔۔۔ مندائیت کیا ہے؟

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا، اور خاموش رہا۔ کیونکہ بہلول دلچسپ شخصیت کا مالک تھا اور میں اُسے صرف سننا چاہتا تھا، کہ وہ کیا کہتا ہے۔

اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے، بولنا شروع کیا۔۔۔!

مندائی ایک فرقہ ہے۔ جو آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ، سامؑ اور ادریسؑ کو مانتا ہے۔

یوحنا اصطباغی کے پیروکار ہیں۔ یوحنا اصطباغی کا ذکر بائبل میں اور قرآن مجید میں یحییٰ بن زکریا یعنی یحییٰؑ کے نام سے موجود ہے۔ یوحنا اصطباغی کا مطلب بپتسمہ دینے والا کے ہیں۔ ان کی پیدائش عیسیٰؑ سے پہلے ہوئی تھی لیکن عیسیٰؑ کے عہد میں موجود تھے۔ بائبل کے بقول انھوں نے عیسیٰؑ کو بپتسمہ دیا تھا۔ یہ مذہب حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور یسوع مسیح کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے، کہ یہ آغاز

مسیحیت کے غناسطی فرقے کے طور پر ارتقائی مرحلوں سے گزرتے ہوئے، ایک الگ مذہب بن گیا۔ ان کی مقدس کتابیں سریانی زبان میں ہیں۔ ان کا نشان بھی مسیحیت سے ملتا جلتا ہے۔ جسے درفش کہتے ہیں۔ یہ دراصل ایک صلیب پر ریشم کا کپڑا خاص انداز سے ڈالا ہوتا ہے۔ ان کے ہاں خدائے یکتا نے کائنات کو پیدا کیا ہے جس کو ''ھیی قدما'' (ھیی قدیم) کہتے ہیں۔ اور یحییٰ معمدانی بھی ثنیائی جیسے ھیی الثانی ہے۔ یعنی عیسیٰؑ کو کہتے ہیں۔ پہلے یحییٰؑ اور پھر عیسیٰؑ کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں خدا نے سات عالم بنائے ''عالم دھشوخا'' یعنی عوالم ظلمت کو پیدا کیا۔ انھیں سورج سے روشن کیا۔ یہاں ایک بات کو واضح کرتے ہیں کہ سات آسمان، سات طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ آسمان کے چوتھے طبقے میں سورج اور ساتویں طبقے میں چاند ہے۔ اسی مذہب کا یہ نظریہ ہے۔ زمین و آسمان دو مادوں آب و آتش کے ٹکرانے سے مخلوقات عالم وجود میں آئی۔ آدمؑ کو ''گبرا قدمیا'' یعنی مردِ اوّل کہتے ہیں۔

''وہ کہتے ہیں کہ خدا نے چاہا۔۔۔ وہ آدم کو پیدا کرے۔ تو اس نے ھبیل زیوا (عزرائیل) کو زمین پر بھیجا۔ اس نے پہلے آدم کو پھر بائیں پسلی سے حوا کو پیدا کیا۔ ان میں روح پھونک کر بپتسمہ کا طریقہ سکھایا۔ پھر فرشتوں سے کہا، کہ انھیں سجدہ کریں لیکن ''ھاد بیشا'' (ابلیس) نے سجدہ نہیں کیا۔ مکالمہ اور حالات کے درمیان جو کچھ بھی لفظوں کی صورت میں ادا ہوا۔ وہ نثری نظمیں تھیں۔ جہاں مرضی جا کر تحقیق کر لو۔ تم ''مقالہ، ڈاکٹر جواد، کتاب مقدس الصابئون، تاریخ الحکماء، علامہ جمالدین تقفطی متوفی ۶۴۶ء الصابئون فی حاضرھم و ماضیھم جیسی کتابیں پڑھ لو۔ تمھیں میرا یقین آ جائے گا۔ میں نے اُس کی باتیں سن کر کہا، مجھے نثری نظم دل کی دھڑکنوں کی مانند لگتی ہے۔ یہ میری پہلی محبت ہے۔ آپ جانتے ہیں جب فرشتے مجھے سجدہ کر رہے تھے تو یہ میرے پہلو سے لگی، مجھے بڑی چاہت، محبت اور فریفتگی سے دیکھ رہی تھی:

یہ بزم دلربائی میں!
فرشتوں کی طرح معصوم تھی
میرے ذہن کی غلام گردشوں میں!
زینتِ قرار بن کر۔۔۔ اعتبار کے لہجے میں گونجتی رہتی تھی
ہوائیں گل داؤدی، گل مریم کے ساتھ!

سوسن ونسترن سے گلے ملتی رہتی تھیں۔
یہ چراغوں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے!
فلک کی جالیوں کو محبتوں کا صحیفہ سناتی!
محبتوں، چاہتوں کے حروف مقطعات کی تسبیح کرتے ہوئے!
میرے ذہن ودل کی پاسبان بن کر!
سنہری کرنوں میں۔۔۔میرا طواف کرتی رہتی تھی

بہلول سر جھکائے سب سنتا رہا۔ وہ شفق کی فریفتگی میں وعدوں کے وقار تک سفر کرتے ہوئے، بولا۔۔۔! پہچان کی حقیقت میں قیام ومقام کی وضاحت ہر فقیہہ اور زاہد نے اپنی عقلی تشکیلات کے زاویوں میں تصور یا خیال کے تحت لمحوں کی روانی میں لکھی ہے۔

کسی نے اس کو نظریہ کہا۔۔۔تو کسی نے اثباتی تحقیق کے عمیق ذروں سے اکتساب کرتے ہوئے، سفیدیوں کے تصور کو نیلا ہٹوں میں ملا کر، تسلیمات کی گنجائشوں میں واحد اقرار کے ساتھ کئی عنوانات حقیقی اور مجازی کے سایہ میں مختلف ابواب کی نشاندہی کی ہے۔ پھر مختلف جگہوں سے تصورات کی کڑواہٹ کو محسوس کرتے ہوئے، نقطۂ موجود کی وضاحت میں مختلف عقائد کو پرکھا۔۔۔پھر اُن کے سینے سے اُبھرتی دھڑکنوں کی آواز سن کر، عجیب وغریب ادیان کی بنیاد رکھی۔لیکن جو لمحوں کے سینے میں دھڑکتے ہوئے، نظریات محوِ سفر تھے، اُن کو سننے کی بہت کم صالحین میں صلاحیت تھی، جنھوں نے دھڑکنوں کی سنی، وہ تہذیبی رسوم سے فکری عقائد کی جڑوں تک پہنچ گئے۔جنھوں نے جڑوں تک رسائی حاصل کی وہ خواب آثار سے تعبیر مستجاب تک ۔۔۔تورات والانجیل کی تصدیق کرتے ہوئے، کافِ فسوں سے تعلقات کہف کی دلیلیں دیتے ہوئے، بے گوروکفن پیاسی ریت پر تڑپتے رہے۔کچھ پیاسی ہواؤں کا محور بن کر، گزرتے لمحوں کے سینے میں محفوظ ہوکر، گمنام جزیروں کی طرف نکل گئے۔جو چلے گئے۔۔۔یا ظاہری طور پر، ظاہری پردے سے غائب ہوگئے، وہ نظریاتی طور پر قوت وطاقت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے، کسی قوت کے رازداں ضرور تھے۔شروع شروع میں جب انسان کو طرزِ معاشرت کے لفظوں کا پتہ بھی نہیں تھا تب بھی وہ لڑنے کے فن سے بخوبی واقف تھا۔وہ اپنے مدِ مقابل کو مارنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔اس کے برعکس جو مقتول تھا وہ فطری مناظر کی

دل کشی میں مزاج نمود کے زاویوں میں جذباتی طور پر سبز نظریات کے ساتھ سرخ پھولوں کے ساتھ رونق بسمل میں لسان زماں کے شمس وقمر لیے، کون ومکاں پر محیط پہچان کو بتانے والا اور نشاط شگفتگی میں سما کر، واحد آگہی کی محبت بتانے والا بھی تھا۔

بہلول کی یہ باتیں سن کر، بے اختیار میرے لبوں پر چند لائنیں کھیلنے لگیں:

میں قانون بہار میں!
زمانی مسیحا کے رنگ میں بولتا رہتا ہوں
میرا قاتل جاجوج ماجوج قوم میں چلا گیا ہے
پھر بھی اپنے لہو سے!
دل بسمل کی۔۔۔ارغوانی شفق کی!
بزمِ ارض وسما کے بیچ داستان لکھتا رہتا ہوں
توریت والانجیل کی دلیلوں میں!
عہد کاف، بیاض اسرار کے معنی ڈھونڈتا رہتا ہوں
بہلول مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔!

ابتدائی احساس کی حقیقی ترتیب میں جن عوامل کو فوقیت حاصل ہے اُن کے بارے میں مختلف کتابوں میں ان گنت حوالے موجود ہیں۔ جو کسی نہ کسی طرح لکھنے والے اور پڑھ کر سنانے والے کی ذہنی رو کو عیاں کرتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قدیم اساطیری زمانوں سے موجودہ لمحوں کی روانی تک ظاہر ہوتی ہے۔ اب ایک پتھر کو صحرا میں یا کسی سبز وادی میں رکھ دیا جائے، پھر اُس پر گردشِ ایام کی تحریر اُبھرنے کا انتظار کریں تو کافی سالوں بعد اُس پر مختلف نشانات اُبھرنے شروع ہو جائیں گے۔ پھر بخوبی اُن نشانات میں سے وہ نشان پہچان لیں گے کہ کون سا نشان گرم دنوں سے سرد راتوں کی طرف ہمیں لے کر جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح مفہوم اور منطقی خیال کے زاویوں میں اختیارات کے بخارات سے وجود میں آنے والی نفسیاتی ٹھنڈک اور تاثراتی گرمی کے درمیان روح میں اُترتی کسی شکل یا صورت کی ٹھنڈک بھی محسوس ومعلوم ہو جاتی ہے۔

میں نے فکر کی معنویت میں احساس کا دروازہ کھولتے ہوئے، عقلی مسافتوں کا ذکر کرنا شروع کیا۔ پھر مختلف قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے، کشش گل ماہتاب کو آنسوؤں کے مدوجزر کے ساتھ کچھ اور بھی بولنا چاہتا تھا۔ لیکن عجیب سی نظروں سے بہلول نے مجھے دیکھا۔ پھر سریانی بارشوں میں عبرانی فضاؤں کا پیوند لگاتے ہوئے، گفتگو کا رخ موڑا۔

پھر بڑی روانی میں اپنی جنونیت کا اظہار کرنے لگا۔

اُس نے عقلی استدلال کے ذریعے، اُس قوت کے بارے میں بولنا شروع کیا جو باریک پردوں کے پیچھے رہتے ہوئے ایسی تصویر بناتی ہے جو ظاہری روشنی میں قول وقرار کے جذبوں میں سمٹ کر، تکمیل تاثیر کے گزرتے لمحوں میں دلوں میں اُتر جاتی ہے۔ پھول پتوں میں نظر آتے ہوئے، تاریک سینوں میں دھڑکتی ہے۔ میرے ذہن میں بخارات کا دباؤ ایسے چشمے کی نشان دہی کر رہا تھا جس کے کنارے جابر بن حیان اور صودابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں بہتے ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈال کر، اک دوسرے کی آنکھوں میں بڑی محبت، چاہت اور دلربائی سے دیکھ رہے تھے۔ اُن پر سایہ فگن درختوں کے پتے دف بجا کر، پرندوں کے گیتوں میں شامل تھے۔ لیکن جُدائی کی گھڑی لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھی۔ جابر بن حیان خراسان کا تھا۔ حضرت جعفر صادقؑ کا شاگرد تھا۔ وہ صودابہ اور اُس کے اہلِ خانہ کو فرخ کے حوالے کر کے، قم بھیجنا چاہتا تھا۔ خود اُموی حکمرانوں سے بچتے ہوئے، رے، گرگان، نیشاپور کی خاک چھانتے ہوئے، بصرہ آنا چاہتا تھا لیکن صودابہ کے دل کی دھڑکنیں اُسے اپنی آغوش میں لے کر چومنا چاہتی تھیں۔ ہمیشہ اُس کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ میں خیالوں ہی خیالوں میں نہ جانے کہاں سے کہاں چلا گیا:

عیسیٰ بن عبداللہ قمی کو۔۔۔!

اُس جابر بن حیان کا خط مل گیا تھا
جس کی عقیدت تیسری سماعت کے منظروں میں قید تھی
جو خود خراسانی دشت سے بصرہ تک کی خاک چھان رہا تھا
سودابہ رومانویت کی بیل بن کر!
نرم گرم دھڑکنوں کی حدت سے لپٹ چکی تھی

اِک خواب سیلانی آوارہ سوچوں میں بھٹک رہا تھا

جانے والے کو کیا معلوم؟

کون کب تک۔۔۔بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا تھا

تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اچانک میرے کانوں میں بہلول کی آواز آئی۔۔۔!

میں نے چونک کر بہلول کو دیکھا۔۔۔! کیا ہوا۔۔۔؟ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

اُس نے کہا۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔! پھر بولا۔۔۔!

ترتیب کی روانی میں خاکساری کے ساتھ تاثیر انا اور تکمیل مدعا کے والہانہ پن کو پورا کرتے ہوئے خوب صورت **نثـــــم** ہے۔جس میں صوابہ اور جابر بن حیان کی کہانی سمٹی ہوئی ہے۔یہاں علمی اور عقلی استدلال میں جذبات متنازعہ تغیرات کا سبب بن رہے ہیں۔اسی قانون کو اساطیری زمانوں میں دیکھا جائے تو متنازعہ تغیرات کا وقوع مختلف تہذیبوں کی بنیاد بنا تھا۔

غور کیا جائے تو علمی مسافتوں میں اسباب فطرت اور انسانی خصائل کی وحشیانہ سوچ۔۔۔! اُس وقت زرد پتوں کو گردشِ ایام کی دھول میں دفن کرتی رہتی تھیں۔جب ان پر تسکین عصر کی بارشیں ہوتی تھیں۔بارشوں کے بعد مختلف سوچیں دھنک رنگ کا فرغل پہن کر، ارضی سینے سے نمودار ہو کر، اُفق پر عیاں ہو جاتیں۔یا دوسرے لفظوں میں ، ارضی سینے سے نمودار ہونے والے سبزے میں محوِ سفر ہو جاتیں۔ یہ مسافتیں ذہنی اقتصادیات کی خوش حالی میں اپنا حصہ ڈالتی رہتیں، جو مختلف قوانین کی روح بن کر، ہوا، پانی اور مٹی کے متفقہ ابواب کی تعبیر میں اول رسم سے صحیفہ ادریسؑ تک لے آتی ہیں۔اس کے بعد تعلقات رشی میں طلوع ہوتے، پران، اسبابِ منفرد میں روح الامین کے مناظرات سے ہوتے ہوئے، یونانی منسوبات، ایرامی، سریانی اور عبرانی فضاؤں تک چلے جاتی ،جن میں دوشیزگی کی دل فریب خمار میں ڈوبی سرگوشیاں اور نثری نظمیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔اسی دوران دشت و بیابان میں منقلب ستاروں کے ماہر، آغاز معطر کے حسین ہالوں میں سوسن کے رازداں حکمت کے آسماں اور عقیدہ توحید کی تقویم میں تعبیر عشق کے پاسباں محفلیں جمائے، بارشوں کی روانی اور دلوں کی کہانیوں۔۔۔پر ستاروں کے زائچے بناتے ہیں۔کئی زخموں پر محبتوں، چاہتوں کی پٹیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ان ساری زمانی روانی میں سوچ اور فکر نے ذو معنی لفظوں کے بھید میں اشاروں کی طبیعات میں کنائے کے اثر کو واضح کرتے ہوئے ، ارضیات کے حوالوں میں دن اور رات کو اِک دوسرے کے تعاقب میں دیکھ کر، زمانی فطرت سے منسلک ریاضیاتی فرغل کو مختلف شکلوں میں پہنانا شروع کیے۔ پھر سحر ان میں سرایت کرنے لگا، اور یہ لسانی تاثر سے اُن میں سرایت کرنے لگے۔ پھر وقت، خیال، نظم اور آرزو وجود میں آتے چلے گئے۔ احساسات و جذبات، محبتوں کے اشاراتی نظریے پر محیط ہو کر، آنکھوں کے معنی، اسباب دل اور ذہنی عمارت کو وسعتیں دینے لگے۔ جس سے اسمائے محبوب و مسجود وجود میں آ گئے۔ شعور ہست و الست کی نفسیاتی خوشبو نے ہواؤں کے ساتھ مل کر، تعلقات آہنگ نے رجحانی عقائد کے اذہان کو معطر کیا۔ احساس فکر نے مظہر العجائب کی داخلی اور خارجی طبیعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ، ایسی قوت کی طرف اشارہ کیا جو مختلف قوتوں کی خالق تھی۔

بہلول نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔! تم نے اپنا نام عبداللہ بتایا۔ خود کو ابن آدم بھی کہتے ہو تم نے کبھی اپنے نام کے لفظوں پر غور کرتے ہوئے ، اُس طاقت کے بارے میں سوچنے کی زحمت کی؟ جس نے موجود ادراک کو ''اوّلون وسَابِقون'' کے صحائف سے، ہیلن کی شگفتگی کے ساتھ لسانی لطافت کی حرکتِ مستقیم کے رنگ میں تشریح کی؟ مجھے تو بس خاموش رہنا تھا۔ میں بس خاموش ہی رہا۔ کیونکہ جس طاقت، تاثیر، تعبیر کی وہ بات کر رہا تھا میں تو اُسی کے جملہ میں ڈوبا ہوا۔۔۔ حقیقی تسکین کی لذتوں میں گرفتار۔۔۔! دل میں چند ثمیہ مصرعے پڑھ رہا تھا:

جس نے ارض و سما بنا کر!
لسان الہام میں جمال یوسفؑ کی طرح سما کر!
جس نے تاثیر عصر کے جلوؤں میں!
جبرائیل کو ضمیر لوح و قلم کا نامہ بر بنایا ہے
جنوں کی سانسوں میں وہی سمایا ہے

موسموں کی روانی میں!
ارغوانی تبسم، ماہتابی شبنم کے صحیفے سجائے ہوئے!

گلزارِ ہست والست میں حقیقی خواب دکھاتے ہوئے!
جس نے طائرِ حسن کو!
شانِ معصوم کے مخمل پر سلایا ہے
جنوں کی سانسوں میں وہی سمایا ہے

زعفران کی شگفتگی میں۔۔۔گل مریم کی فریفتگی میں!
وفا کی نشانیوں میں۔۔۔عشق کی جوانیوں میں!
جس نے کشش قاف کی جوانی کو سجایا ہے
جنوں کی سانسوں میں وہی سمایا ہے

بہلول نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے، میری طرف دیکھا، پھر بولا۔۔۔!تم اپنی نثری نظم کے سحر سے باہر آ جاؤ۔میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔! آ گیا ہوں۔آپ کچھ فرما رہے تھے،تو اُس نے لمحوں کی روانی کے رنگ میں،اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔''

مجھے یہاں اسباب یہودیت میں عصاء نظر آتا ہے۔عقائد عجم میں سوئمبر کی کمان کے ساتھ بنتِ ارض کی خوب صورت مسکراہٹ بھی نظر آتی ہے۔لیکن دونوں طرف پرستش، پوجا پاٹ،اور سجدے موجود ہیں۔زمین سورج کے گرد گھومنے پر مجبور ہے۔چاند سورج سے اکتساب وانتساب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔سب سے پہلے زمین پر توریت بتاتی ہے، کہ دُمبی سٹی اور اُونٹ کٹارے پیدا ہوئے۔وہ بھی ایسی قوت یا طاقت کی تسبیح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتی۔

میں ایک دم میں بول پڑا۔۔۔کچھ لوگ تو خدا کو مانتے نہیں۔وہ کہتے ہیں جس کا وجود نہیں،اُسے ہم کیسے مان لیں؟
اچھا۔۔۔کچھ لوگ خدا کو نہیں مانتے،لیکن مجھے ایک آیت یاد آ گئی۔۔۔تم بھی سنو۔۔۔!

''سورج کو چاند پر، چاند کو ستاروں پر کوئی فوقیت نہیں لیکن اُن کے لیے کھلی کھلی نشانیاں ہیں جو ان پر غور کرتے ہیں۔''(القرآن)

اسی تناظر میں اگر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھیں تو اُس وقت سورج گرد آلود، زرد آتشی ہالا سا بنا ہوتا ہے جو آسمان پر دور تک پھیل جاتا ہے۔زمین پر سفید برف کی تہہ، درختوں پر زرد سبز پتے اور سرمئی ریت کا پہاڑ مختلف جگہوں سے

نظارہ کرنے پر، علیحدہ علیحدہ مختلف کیفیاتی سحر سے روشناسی ہوتی ہے۔ اسی دوران دھیرے دھیرے شام اُترتی ہے اور شام کی کوکھ سے اندھیرا جنم لینے لگتا ہے۔ جو چاند اور ستاروں کی ڈوریاں کھینچتے ہوئے اعلیٰ تہذیب کی زندہ فکر کے نقطہ نظر کو روح میں اتارتا ہے۔ پھر یہی نکتۂ حیات پرستی اور رجعت کی زرخیزی میں "مؤمن، مھیمنُ، عزیز الجبار المتکبرُ" کے فلسفے پر روشنی ڈالتے ہوئے "لا" اور "الا" کے شذروں میں "محمد رسول اللہ" تک لے آتا ہے۔ ان شجروں کو پڑھ کر سناتے ہوئے، وہ نقطہ نظر نہیں۔۔۔ بلکہ نقطہ حیات بن کر، اساطیر کی تقویم میں قدیم مرکز کے واحد رشتے کی استواری میں، اپنی سانسوں اور مسافتوں کی روانی کو نہیں بھولتا۔ وہ لہولہان پیروں سے پیاسی ریت پر تڑپتے منظروں کو بڑی آسانی کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ وہ چاہے نیل کے کنارے ہو یا فرات کے کنارے پر! وہ گنگا جمنا کے بیچ جنم لینے والے سے گوکل کی فضاؤں میں کوکتی بانسری کو بھی یاد رکھتا ہے۔

میں نے بہلول کی باتوں کو اطمینان سے سنا۔ پھر عمومی خیالات میں تاثراتی حرفوں کا رنگ بھرتے ہوئے! لذت اقرار کے داخلی اور خارجی پہلوؤں میں فکر، جذبات اور فخر کو سمویا۔ پھر اس کے بعد درد کے نفسیاتی پہلوؤں پر بات کرتے ہوئے، فکر، تاسف اور نفرت کو گھسیٹ کر شامل کر لیا۔ یوں حصول تاثیر کے لیے ایک نظریہ ذہن میں ترتیب دے کر، بہلول سے خیالات کے مرکب میں نیلے لفظوں کی وضاحت چاہتے ہوئے، بالغ احساسات کے ساتھ کچی عمر کی ٹھنڈی شاموں، شبنمی راتوں کے رتجگوں کا سوال کر دیا۔

بہلول نے اطمینان سے سوال سنا۔ پھر خیالات میں اصنام کی تقسیم کرتے ہوئے، فکر کو خانقاہوں کی طرف لے آیا۔ اُس نے لذت اور درد کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کی بجائے ایک ہی علامت میں دونوں کو پرو دیا۔ یعنی وہ "لذت درد" کے آئینے میں پرو کر، شفق کی بالیوں سے سنہری گندم کی بالیوں تک سفر کرتا ہوا آ گیا۔ پھر بولا۔۔۔!

قدیم صنمیات کی کتابوں کو غور سے پڑھا جائے، تو ان میں دیوی، دیوتاؤں کے ساتھ مختلف جنگجوؤں کے نسب نامے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں ہندوؤں اور اہلِ یونان کی کتابیں ذرا دِقت سے ملیں گی۔ اُن میں پرانوں سے بھی پہلے کی داستانیں موجود ہیں۔ عصرِ رواں کے ساتھ اُن کا مطالعہ کیا جائے، تو قدیم سے قدیم تر واقعات مل جاتے ہیں۔ یہی حال یونانی دیوتاؤں کے حوالے سے کتابوں کا ہے۔ اُن پر غور کرو گے تو نایاب قسم کی نثری نظمیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اب یہاں انسانی عقل کا کمال بھی دیکھ سکتے ہو۔ انسان نے جاذب آواز اور کرختگی کی جوانی بحال رکھنے والی فضاؤں اور ہواؤں کو کس طرح اپنی سوچ کے تابع رہتے ہوئے مختلف دیوتاؤں سے منسوب کیا۔

تم مجھے چھوڑو۔۔۔!

تم مجھے ایک ہی سمت کا مسافر کہہ کر، مختلف دلائل دے سکتے ہو۔تم بتاؤ۔۔۔!

جب ارتقائے رونق میں ابتدائی محبت میں ڈوبی آواز نے ازلی محور سے دائرہ مستقبل تک کا سفر طے کیا ہو گا تو سب سے پہلے اپنے محور کی ہی نشان دہی کی ہوگی۔ وقت نے سچے درد اور لگن کو محسوس کرتے ہوئے، اُس کے اثرات کو مختلف مقامات کی جاذبیت میں سمویا ہوگا۔ پھر مسحوریت کو قریب لا کر، احساس انتخاب کو اظہاریت پر محیط کر دیا ہوگا، یوں محبوب کی ذمہ داریوں کو جگا دیا ہوگا۔۔۔کیا ان باتوں سے اتفاق ہے۔۔۔؟

میں نے اپنے دوست کی جذباتیت کو مجبوری اور توجہ سے بچاتے ہوئے، مختلف پھولوں کا ذکر کیا۔ اسد محمود خان کے افسانوں میں درد کی کوک میں سرمئی دھوپ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے، انسانی مرکز کے گرد گھومتے ہنگامے اور بے چینی کو دور رکھا۔ پھر سوچوں کو مرکز میں داخل کرتے ہوئے، دل اور دماغ کو بالکل ہلکا کر دیا۔ اسی کلیے کے تحت، میں نے اسد محمود خان کے افسانوں میں عارضی پاگل پن کو مستقل پاگل پن کہہ کر، کرشن یا بدھ کی مانند سوچوں کو مسرت انگیز لمحات کی طرف موڑ کر، چاندنی اور ریت کے درمیان سکون کو___ اُس کی حد سے باہر ہونے نہ دیا۔ اس طرح پہچان، سکون اور مرکز کی ایک تکون بنا کر، خاموش ہو گیا۔

بہلول شاید اندر تک خوش ہو گیا تھا۔ اسی لیے اُس کے چہرے پر بڑی دل فریبی اور آنکھوں میں نور چمکنے لگا تھا۔ پھر بہلول نے مٹی کا پیالہ اُٹھایا اُس میں پانی اور ستو ڈال کر مجھے دیا۔ دوسرے پیالے میں ستو پانی کا شربت خود پینے لگا۔

اُس نے بھی چند پھولوں میں لذت ہجر اور بقائے وصال کے عناصر میں سانسوں کی روانی کو جذبہ روح کہا۔ پھر اسے تسکین کی چہل قدمی کے قریب لاتے ہوئے، ہواؤں کی سرسراہٹ، پیار میں ڈوبی لڑکھڑاہٹ کو مجوسیت کی نسبت میں جمالیاتی تناسب کو بنیادی وحدت کے معیار کی کشش کے ساتھ عورت اور مرد کی بصری قوت اور دھڑکنوں کی روانی کو جذبہ محبت کے ایسے رنگوں کی کشش قرار دیا۔ جس میں منفی یا تضاد کا رجحان نہیں ہوتا۔

پھر وہ حمدیہ نثری نظم کے نثریہ مصرعے دھڑکنوں کے آہنگ کے ساتھ پڑھنے لگا۔ سچی بات ہے میں بھی اُس کی نثری نظم میں ڈوب گیا:

جو خیال کی تہذیب میں!

گل بنفشا، گل یاسمین کی مثالیں رکھتے ہوئے!

سحر کی انگڑائی میں شفق کی جوانی رکھتے ہوئے!
وہی عقیدتوں کے روشن چراغوں کی داستاں ہے
وہی چشم سوسن ونسترن میں شگفتگی بن کر!
ادراک کی رگوں میں فریفتگی بن کر!
دلفریب جھیلوں کے کنارے تتلیوں، جگنوؤں کا آسماں ہے
جس کی ذرہ ذرہ تعریف کرتا ہے
وہی درختوں کو سبز قبائیں دے کر!
پھولوں کو مختلف رنگوں کے فرغل پہنا کر!
خواب کے طاق میں روشن ہو کر!
جمال فسوں کی وسعتوں میں عیاں ہے
انبیاء سے لسان انجیر، شاخ زیتون کے لہجے میں باتیں کرتے ہوئے!
وہی ''ایلوہیم، ایل شیدائی، یہوواہ، تزیوت۔۔۔!
میرا کریم، قادر مطلق، رب العالمین۔۔۔ میرا پاسباں ہے
میرا رحیم، میرا کریم۔۔۔ میرا آسماں ہے

پھر بہلول تخلیقی مشکل کی نفسیاتی حالت پر بات کرتے ہوئے کہنے لگا۔۔۔!
تمھیں آج کل ایسے لوگ ضرور ملیں گے۔ جو قرآن سے بات شروع کریں گے۔ پھر اسی دوران سفر کرتے ہوئے احادیث کی طرف نکل جائیں گے۔ سورہ اخلاص۔۔۔ جو بہترین سورہ توحید ہے۔ اس تناظر میں بحث شروع ہو، تو بہت دور تک نکل جاتی ہے جیسے ایرانیوں کی ایک ہوشربا داستاں میں کوہ کاف کی داستاں شامل ہے۔ جس سے مقدس واقعات بھی جڑے ہیں۔ اس کے گرد و نواح پر نظر ڈالیں تو زرتشت اور مختلف انبیا کے ساتھ ساتھ مختلف صحابہ کرام بھی نظر آتے ہیں۔ ایسا ہی ایک پہاڑ یونانیوں کے ہاں بھی موجود ہے۔ وہ اُسے کوہ اولمپس کہتے ہیں۔
اوستا سے منسوب کتابوں میں اسی پہاڑ کے بارے میں بہت کچھ موجود ہے، اور کوہ کاف کو ہی تمام

پہاڑوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے لیکن کیلاش پربت کے بارے میں اور بھی داستانیں منسوبات کے تحت موجود ہیں۔ مسلمانوں میں کوہ طور موجود ہے۔ اس معاملے میں جین مت بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ اُن کے ہاں روایات کے مطابق ''مالوسوتر'' موجود ہے جو انسانی آبادی کی آخری حد سمجھا جاتا ہے۔

ایک قوم ''منداپتی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کے ہاں یہ روایت پائی جاتی ہے کہ زمین چپٹی ہے۔ اس کے تین طرف پانی ہے۔ شمال کی طرف زمرد کا پہاڑ ہے جس سے شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ اسی وجہ سے آسماں کا رنگ نیلا ہے۔ یہاں غور کیا جائے تو مشرقی قوموں میں شمال کی طرف قدیم زمانوں سے ایک پہاڑ موجود ہے جس کی دلیل مختلف کتابوں میں، مختلف حوالوں سے نظر بھی آتی ہے۔ اسی کے ساتھ دیوی، دیوتاؤں کے ساتھ ایک یہ بھی نظریہ موجود رہا۔۔۔ کہ۔۔۔ ایک طاقت ایسی ہے جس کی کوئی تصویر، شبیہ نہیں اور نہ ہی کوئی پرچھائی ہے۔ اب اس پر بھی صالحین کی بحثیں موجود ہیں، کہ یہ خیال اہلِ بابل سے لیا گیا ہے کیونکہ اس طرح کی کہانیاں قدیم عبرانیوں کے ہاں بھی موجود ہیں۔ اگر تورات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ کہانیاں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف منسوبات یہود کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو نثری نظمیں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ ان کتابوں میں جو نثر کی شکلیں موجود ہیں اُن کا بنیادی بہاؤ اور حرفی بنت بالکل نثری نظم سے ملتا ہے اسی وجہ سے میں دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوں۔

میں اور بہلول حرف و معنی کے حوالے سے بہت الجھے ہوئے تھے۔ وہ مجذوبیت کے دائروں میں سفر کرتے ہوئے اپنی سوچوں کے تابع چل رہا تھا۔ میں بھی الجھا ہوا تھا لیکن میں اپنی سوچوں کو فسوں اور خمار کے بیچ لٹکنے سے بچاتے ہوئے اک عجیب راہ کی طرف چل نکلا۔

میں عثمان مروندی اور بلھے شاہ کی شریعت پر چلنے والا
دل میں باسم سلطان اور لبنیٰ جیسے جذبات رکھنے والا
امرتا پریتم اور سارہ شگفتہ کی طرح ۔۔۔۔!
چاندنی راتوں میں ستاروں سے سرگوشیاں کرنے والا
دعاؤں کے قفس میں ۔۔۔۔!
حرف و معنی کے پرندے قید نہیں کرتا

اک تم ہو۔۔۔جو ابتدا کی روشنی میں۔۔۔!
دل کی سند کو پارسا ایجابی، درویش قبولی کے سامنے۔۔۔!
جذباتی احساس کی پہچان کے مروجہ لفظوں کی۔۔۔!
ترتیب وترکیب واضح کرتی رہتی ہو
فلک کی جالیوں سے لگی۔۔۔،
دستِ حنائی سے چراغ روشن کرتی رہتی ہو

بہاؤ اور بنت کے حوالے سے عہد نامہ عتیق اور توریت کے تقابلی جائزے سے تھوڑا ہٹ کر، ادبی نظریات کے متوازی چلیں تو اس کے حوالے مضبوطی سے موجود ہیں۔اس جائزے میں زبور شریف اس لیے شامل نہیں کیا کیونکہ وہ سارا نثری نظموں کی شکل میں ہے۔جیسے گایا گیا ہے۔اس کی کرافٹنگ کی گئی ہے۔میں تسلیمی اعمال کے فکری،نظری اور بصری نظریات کے سائے میں سفر کرتے ہوئے،کوہ بلقان،کوہ سینا،کوہِ لبنان،کوہ سراندیپ کی داستانی وادیوں میں کیلاش پربت،کوہ ژندہ،کوہ کلوری،کوہ ہلمند کے ساتھ کوہ سلیمان،کوہ آٹھ (آٹھ پہاڑوں کا سلسلہ جواب کوہاٹ ہے) سے ہوتا ہوا۔۔۔کوہ ذبیح تک چلا گیا۔پھر صفا اور مروا تک آئے ہوئے،کوہ قبیس،کوہ ہیبرون کو ذہنی غلام گردشوں میں تصویری شکل میں دیکھتا ہوا۔غارِ حرا کی دہلیز تک آ گیا تھا۔اس کے بعد شاید میں تھک گیا تھا؟ اسی لیے میں ایک پتھر سے ٹیک لگائے،سو گیا تھا۔سونے کے دوران پتہ نہیں خواب کی حالت رہی یا نیند میں بھی آوارگی کی کیفیت برقرار تھی، جو میں نیند کی حالت میں کوہ جودی،کوہ عین (جس کے سلسلوں میں حضرت اسماعیلؑ کو اُن کی والدہ کے ساتھ چھوڑا گیا تھا) کوہ زیتون، کوہِ نور کی وادیوں سے ہوتا ہوا۔۔۔کوہ تفتان اور پھر وہاں سے کوہِ صہیون۔۔۔!

کوہ صہیون! جس کی وادی سے صہیونیت کا آغاز ہوا۔اسی طرح اگر ایران کی طرف جائیں تو کوہ البورز بائکل ویسا ہی ہے،جیسے کلر کہار کا پہاڑی سلسلہ۔۔۔!

میں جبلِ رحمت دیکھ رہا تھا جب بہلول کی آواز میرے کانوں میں آئی۔تم کافی دیر سے بڑبڑا رہے ہو۔کیا ہوا۔۔۔؟ مجھے بھی بتاؤ۔۔۔!تم کیا سوچ رہے ہو۔۔۔؟

میں ذہنی طور پر حاضر ہوتے ہوئے بولا۔۔۔میں سوچ کچھ نہیں رہا تھا۔ویسے تو میں سویا تھا لیکن نیند

کی حالت میں بدن کہیں۔۔۔روح کہیں والا معاملہ ہو گیا تھا۔۔پھر میرے لبوں پر کچھ ایسے حرف و معانی آ گئے جس سے مجھے سکون سا محسوس ہونے لگا:

آپؐ حقیقت خفی۔۔۔آپؐ حقیقت جلی
ہجر کے درد کی تحقیق میں۔۔۔وصال کی تہذیب میں!
فرخندہ زمانوں کے طاق اسرار میں!
چراغ رازداں بن کے روشن ہیں
آپؐ ہی تاثیر اول۔۔۔آپؐ ہی عشق کی انتہا،
صلی علیٰ۔۔۔حبیبِ خدا۔۔۔صلی علیٰ!
چاند تاروں کے روشن وظیفوں میں تو!
معانیوں کے لطف سخن!
چشم وفا۔۔۔باخبر سمندروں کے صحیفوں میں تو!
آپؐ کی وجہ سے صندل، صنوبر، چناروں میں زندگی ہے
آپؐ خیر الورا۔۔۔آپؐ سید المرسلین۔۔۔آپؐ شافع روزِ جزا
اے حبیب خدا۔۔۔صلی علیٰ۔۔۔صلی علیٰ
اے شمس و قمر۔۔۔اے انبیائے مرسل۔۔۔اے ارض و سماء کے گواہ
اے خیر الوریٰ۔۔۔اے حبیبِ خدا۔۔۔صلی علیٰ

رونقِ مہتاب

اے میرے آقا و مولا۔۔۔!
یہ ماہتاب ستاروں کے بیچ!
سرورِ ازل کے ساتھ۔۔۔!
آپؐ کے پاؤں چومنے کی۔۔۔ارباب تبسم کو داستاں سناتا ہے
خواب کی شرطوں میں۔۔۔کہکشاں کی دلیلوں میں!
لاریب شہسوار کی یاد دلاتے ہوئے!
فرشتوں کے ساتھ درود و سلام پڑھتے ہوئے!
موج جنوں کے سینے میں!
نشاط نقاب کا مفہوم دل کی طرح دھڑکاتا ہے
اے میرے آقا و مولا۔۔۔!
یہ آج بھی مکمل چاہتوں کے معصوم خط!
قرآن میں موجود تیرے سفر ناموں کے ساتھ!
عصر جمیل کے شگفتہ شبنمی گلابوں کو دکھاتا ہے
درود و سلام پڑھتے ہوئے!
میری روح کو سہلاتا ہے۔۔۔!
زخموں پر چاندنی کے مرہم لگاتا ہے

نعت

آپؐ کی وجہ سے!
روشنی میں شگوفے کھل رہے ہیں
سبز وادیوں میں!
روایتوں، تلازموں کے قافلے!
جگنوؤں، تتلیوں میں خیمہ زن رہتے ہیں
آپ محبوب رب العالمیں۔۔۔!
آپؐ کی وجہ سے انجیر و زیتون میں زندگی رواں ہے
گلِ مریم کے دریچوں میں!
سوسن و نسترن کی حقیقتوں میں!
آپؐ کے نام کی سبز زمانے تسبیح کر رہے ہیں
شہرِ معصوم کا طواف کرتے ہوئے!
خانقاہِ عشق میں اعتکاف کرتے ہوئے!
خوشبو کی آبرو۔۔۔ بہار کی آرزو!
درِ معصوم سے فسوں کی خیرات لیتی ہے
درِ قبول کے روبرو!
پرندے اذانوں میں۔۔۔ کشش کاف کے الہامی ایوانوں میں!
آپؐ کے نام کی گواہی دیتے ہوئے!
صبح و شام درود و سلام پڑھتے رہتے ہیں

ارادھنا

ساعت نایاب میں!
معانیوں کے شباب میں۔۔۔سبز بارشوں کے سحاب میں!
جذبات کی خوشبو۔۔۔چشم عہد وفا میں!
روایتوں کے تلازمے میں۔۔۔آپؐ کے نام سے زندگی ہے
آپؐ محبوب رب العالمین۔۔۔آپؐ رحمت اللعالمین ہیں
آپؐ کے نسب نامے کا ورد کرتے ہوئے!
وجد انگیز قوسوں کا ذکر کرتے ہوئے!
زعفرانی لحن کو۔۔۔گلاب کے بانکپن کو!
رشتۂ لکنت سے منسلک!
آگ کا تاثیر تو ریت میں ڈوبا ناول پڑھتا ہوں!
مکہ سے مدینہ کا سفر نامہ پڑھتے ہوئے!
غارِ ثور میں گونجتی نثری نظمیں سناتا ہوں
میں تو بس صبح وشام!
آپؐ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرتا رہتا ہوں
آپؐ کا نام میری بندگی۔۔۔زندگی ہے
آپؐ محبوب رب العالمین۔۔۔آپؐ رحمت اللعالمین ہیں
آپؐ شافعِ محشر۔۔۔آپؐ حبیبِ خدا!
صلِ علیٰ۔۔۔صلِ علیٰ۔۔۔صلِ علیٰ

بہلول کافی دنوں سے حالتِ سفر میں تھا۔ میں بھی اُس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش میں گرمی کے تشدد اور صحرائی ہواؤں کے رقص سے بے حال تھا۔ جب سے بہلول کو پتہ چلا تھا۔۔۔ کہ مجھے نثری نظم سے عشق ہے وہ تب سے مجھے گھنجلک باتیں نثری نظم کے انداز میں بڑی روانی اور آسانی سے سمجھانے لگا تھا۔ ایک دن جب ہم شام کے صحن میں لیٹے ہوئے ۔۔۔ صحرائی گرم ہواؤں میں آرام کرنے (رات بسر) کا سوچ رہے تھے۔ کہ نہ جانے کیسے۔۔۔ اُس کی سوچوں میں نثری نظم اُتر آئی۔ وہ بولا۔۔۔ نثری نظم خوب صورت اور دل آویز قدیم صنف ہے۔

یہ عہد الست سے موجودہ دور کے نشیب و فراز تک، مزاجِ شفق کی دلیلوں کو فکری اساس کی وادیوں میں پروان چڑھانے میں لگی رہی۔ یہ کٹھور اور سنگدل لمحوں کی طرف سے دی جانے والی اذیت سے نڈھال ضرور رہی، لیکن مری نہیں۔ اس کی وسعت، آفاقی شگفتگی اور لطافت کچھ عرصہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔۔۔ لیکن جب موسم بہار آتا۔۔۔ تو یہ پھر سب کے سامنے رونما ہو جاتی۔ عجم کی وادیوں میں بھی یہ اک دیوی کی طرح سر فلک کی جالیوں سے لگائے، دھڑ زمین پر اور پاؤں پاتال میں رکھے کھڑی نظر آئی۔ یہ زمین پر پہلے مرد کی طاقت بن کر، اس کے ساتھ پہلو میں بیٹھی۔ مرد نے اسے پرندوں کی چہچہاہٹ میں پھولوں کے ساتھ آرزو، محبت، چاہت کے ساتھ سرد ہواؤں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ رشیوں کے سینے میں دھڑکتی رہی۔ اس نے موہنجداڑو اور ہڑپہ کے موسموں کو دیکھا (یہاں سے برآمد ہونے والے سبھی کتبوں کے تراجم نہیں ہو سکے) اس نے ''اصحابِ رس'' کے ظالمانہ رویوں کو بھی دیکھا۔

یہاں ایک اور بات بتاتا چلوں۔۔۔!

وہ یہ کہ۔۔۔!

تم نے مختلف اذہان جنم دینے والی سوچ کو، خود پر حاوی کرنے کے بعد کچھ نثری نظمیں لکھی ہیں جن میں، ''تاریخِ مذہب'' کی کتاب میں موجود طبعیات اور مابعد الطبعیات کے درمیان گردش کرتی ہواؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مطالعہ کرنا بری بات نہیں ہے لیکن ہر وقت کتابوں میں غرق رہنے سے وہ شعور کبھی زیارت نہیں کراتا جو کسی دوسرے سے بات چیت کرنے کے بعد ملتا ہے۔ یہ کوئی افلاطونیت کا نظریہ نہیں جو ڈیکارٹ مختلف بہانوں سے

زیرِ بحث لاتا ہے۔پھراسی کی چھاؤں میں بیٹھ جاتا ہے۔میں تمھیں یہاں ایک مثال دیتا ہوں۔۔۔

تم جب مٹی،روح اور چاک کی طرف جاتے ہوتو تثمیہ شکل کی نوک پلک سنوارتے نظر آتے ہو۔لیکن اس کے برعکس جب ہوامٹی اور پانی کی طرف آتے ہوتو خوب صورتی سے نثری نظم کوعیاں کرتے چلے جاتے ہو۔جس سے سوچ کا مادہ،ادراک کی دنیامیں لڑکھڑاتانہیں۔کیوں کہ اس کی دلیلیں موجود ہیں۔تم مثلث کے اضلاع کوفتح کرتے ہوئے،فیثاغورثی زائچہ بناتے ہو۔

فارابی کی طرح تشریح کرتے ہوئے،ابوریحان البیرونی کی طرح آوارگی کی وسعتوں میں،جابر بن حیان اور بوعلی سینا کی طرح مختلف زخموں پر مرہم پٹی کرتے ہو،دھونی بھی رماتے ہو۔کبھی کبھی درد کے تشدد سے زمین پر لیٹے تڑپتے رہتے ہوجس سے حواس،مظہری دنیا سے عنصری دنیا تک،دھڑکنوں کا داخلی ادراک اورخارجی ترکیب واضح ہوجاتی ہے۔

یہی نثری نظم رسم اسرار کے ساتھ سنگ تراشی کرتے ہوئے،پانیوں کے ساتھ بہتے ہوئے،بادبانی بجروں کے بادبانوں پرعیاں ہوتی رہی۔

عبداللہ تم نثری نظم کے نقیب اوراسیر ہو۔تم نے کبھی اس طرح بھی سوچا۔۔۔؟

اے وقت۔۔۔!
تجھے واسطہ پیغمبرانہ تعلق کی آئینہ داری کا!
ذرا پیچھے بھاگ۔۔۔!
اُسی نشاط حساس کے بانکپن کے نزدیک۔۔۔!
سبز بیلوں پر کھلے سرخ پھولوں اورمندر کی سیڑھیوں کے نزدیک!
جہاں لرزتے شبنمی لہجے کے چاک پر!
موسم چناروصندل کا اساسی گلاب تخلیق ہورہا تھا
دشت شعور میں محبت کی نشانی چمک رہی تھی
داسیوں کے سینے سے!
عقیدتوں میں ڈوبا۔۔۔وارفتگی کا نصاب طلوع ہورہا تھا

میں نے اُس کی نثری نظم سنی ___ پھر صحرا کے جلتے بدن سے وحشی ہواؤں میں جھلستے خواب تک، اک نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔۔۔! میں نے عجم کی وادیوں میں لہلہاتی فصلوں میں مسکراتی، گنگناتی گوریوں کی جبیں چوم کر، چاندنی راتوں میں گنگا اور جمنا کے دریاؤں میں ۔۔۔ پوربی اور اُتری سمتوں میں محبت کو سفید مندروں کے سنہری کلس سے گلے ملتے ہوئے دیکھا۔ میں نے نارائن کے ساتھ پانیوں پر تیرتے ہوئے، کیلاش پربت پر دیویوں کیساتھ رقص کرتے ہوئے دیکھا:

میں نے وجدان کے تازہ سحر میں سمٹ کر!
پھولوں کے ساتھ۔۔۔ کسی کے پاؤں سے لپٹ کر!
انگ بھبھوتی رماتے ہوئے۔۔۔ دیکھا۔۔۔!
اس نے سانسوں میں خمار اُتار کر!
جسے بے باک حیرت کے زاویوں میں!
تشکیک اور گمان کی رگیں کاٹ کر!
اک پتھر کو دیوتا بناتے ہوئے دیکھا
اس نے گنگا کو خانہ شیو سے نکلتے ہوئے!
جمنا کو شراب میں تڑپتے ہوئے دیکھا
میں نے اسے۔۔۔ دیوی کے ہونٹ چوم کر!
کالی مرچ اور سبز الائچی کے ڈالیوں کو!
ساحل مکران تک لاتے ہوئے دیکھا

بہلول حالت وجد میں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ میں بھی خاموشی سے لیٹ گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ کافی دیر بعد۔۔۔۔ بہلول بولا۔۔۔!

جب لکشمی، سرسوتی دیویاں وجود میں آئیں تو ہندوؤں کی جو کتابیں کہتی ہیں وہ بالکل نثری نظمیں لگتی ہیں۔ اس پر میں نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے دیکھا۔۔۔! وہ بڑے ہی خمار آلود انداز سے کہنے لگا۔ تم مجھے پتہ نہیں کیا سمجھتے ہو۔ لیکن مجھے جو اچھا لگتا ہے، میں اسی کی تاثیر کے ساتھ محو سفر رہتا ہوں۔ مجھے

نہیں پتا ہم کب بچھڑ جائیں گے؟ اسی لیے دل میں جو بھی ہوتا ہے اسے بولتا رہتا ہوں:

میں پیام زاہدان میں!
آذر بائیجان کی خوشبو کو رقص کرتے ہوئے دیکھتا ہوں
قم، رے، سامرہ کی مٹھیوں میں!
نیل کی روانیوں میں۔۔۔!
جمال مستجاب کی نشانیاں دیکھتا ہوں
لوگ مجھے سیلانی، آوارہ، پاگل کہتے ہیں
میں تعبیر کو۔۔۔تاثیر سے گلے ملتے ہوئے دیکھتا ہوں

میں نے بڑے سکون سے بہلولی ثمیہ مصرعے سنے۔۔۔اور ایرانی تقویم میں مختلف ستاروں کے زائچوں کے نقشے۔۔۔ذہن کے پردے پر بنتے مٹتے دیکھنے لگا۔اسی دوران بہلول سے مخاطب ہوکر! عتیق و جدید کے منظروں میں ایرانی تفہیم کا سوال کیا۔ بہلول ابھی چپ تھا۔لیکن مین نے بولنا شروع کر دیا۔

ایران میں یہودیوں کی موجودگی تین ہزار سال پرانی ہے۔ جو اسرائیل سے آشور، بابل اور مغربی ایران میں مختلف ادوار میں ہجرت کرتے رہے۔ یہ لوگ اب بھی آذر بائیجان کے مختلف حصوں میں نظر آجاتے ہیں۔اسی وجہ سے فارسی اور عبرانی زبان کے باہم ملنے سے۔۔۔اک تیسری زبان وجود میں آئی۔ اس تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ایک آستر نامی خاتون کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو مردکی نامی شخص کی بھتیجی تھی۔ یہ خاتون یہودی ہونے کے باوجود ایران کی ملکہ بنی۔اس وقت کا بادشاہ ہامان تھا۔ جو یہودیوں کا دشمن تھا۔ لیکن اس کی سازشوں کا پتہ چلنے پر اسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔

اس کے مرنے کے بعد ''مردکی'' بادشاہ کا مشیر بنا۔ یہ پاک باز وہی خاتون ہے، جس کے نام سے کتاب مقدس کے عہد نامہ عتیق میں ایک حصہ یا ایک باب ہے۔ میرے خیال میں ایک بات کہنا مناسب ہے۔اس کے باب کا نام ابی خیل تھا۔اس کی کچھ نثری نظمیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جن کا اسلوب زبوری فضاؤں میں دھندلا سا یونانی لڑکیوں کی تنہائی میں سرگوشیوں جیسا نثری نظمیہ اسلوب سے ملتا جلتا ہے۔ جن پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ اسی دور کے گردونواح میں ہخامنشی خاندان کی حکومت بھی موجود تھی۔ جس میں

''ہراسا'' اور ''ہمدان'' کے علاقے شامل تھے۔

اساطیری دور میں ایسی عورتوں کے نشانات بھی ملتے ہیں جنہوں نے مختلف مذاہب کو اپناتے ہوئے، دیواروں پر تصویری شکل میں دِلی جذبات کو عیاں کیا۔ وہ اگر آگ کی پوجا کرتیں۔ تب بھی چند حرف و معانی سے بنی ہوئی چادر ضرور اوڑھتی تھیں۔ جس سے ان کے دل کے تڑپنے کی کیفیت کا پتہ چلتا تھا۔ وہ آتشکدوں میں موبدوں (آتش پرست راہب) سے مختلف فطری مسائل کا حل معلوم کرتیں۔ پھر چاندنی راتوں میں سرگوشیوں کے انداز میں جو ذہن سے دل کی سرزمین پر اترتا۔۔۔ اسے زبان سے ادا کرتی رہتی تھیں۔ میں نے اپنی طرف سے اس گفتگو میں اضافہ کرتے ہوئے، تفسیر قرآن کے حوالے سے کہا۔۔۔ کہ۔۔۔!

مجوس۔۔۔ مجوسی کی جمع ہے جو دو خداؤں کو مانتے ہیں۔ یزدان اور اہرمن۔ عرب انھیں مجوسی کہتے ہیں۔ اور عجمی ان کو آتش پرست کہتے ہیں۔

اس پر بہلول بول پڑا۔۔! یہ وہی مذہب ہے، جس کا بانی زرتشت تھا۔ ساسانی عہد میں یہ شاہی مذہب تھا۔ اسی دور میں مزدوک اور مانی مذہب کو بھی خوب پذیرائی ملی۔ جب کہ زرتشی علماء اس کے مخالف تھے۔ آخر کار نوشیروان نے مزدوک مذہب کے ایک لاکھ پیروکار قتل کروا دیے تھے۔ یہ نوشیرواں وہی ہے، جس کی دو پوتیاں تھیں۔ ایک کا نام زنان بانو اور دوسری کا نام کائنات بانو تھا۔ لیکن کائنات بانو کا نام بدل کر شہر بانو رکھا گیا تھا۔ جو امام حسینؑ کی بیوی اور امام زین العابدین کی ماں تھیں۔

یہ اردشیر اول اور پارتھیوں کا دور تھا۔ اسی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے، ہم یزدگرد سوئم تک آتے ہیں۔ جو سلطنت اسلامیہ کے دوسرے خلیفہ کا دور بنتا ہے۔ عرب کے چوکوں اور ستاروں کی چھاؤں میں نرم ٹھنڈی ریت پر بیٹھ کر، کچھ صالحین ادب پتھروں سے ٹیک لگائے، ادب، سبا معلقات اور امراوالقیس جیسے مقربین کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ جن میں نثری نظم کا بھی ذکر چھڑ جایا کرتا تھا۔ جس پر کافی طویل بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔

علمی، سیاسی اور فلسفیانہ بحثوں کا سلسلہ مذہبی رنگ میں بھی موجود رہتا تھا۔ جو امام اعظم سے ہوتا ہوا، علامہ ابن جوزی تک آتا ہے۔ جنہوں نے آتش پرستوں پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ ان عورتوں کے بارے میں بھی لکھتے ہیں، جو آتشکدوں کی دیواروں پر اپنے دل کی باتیں لکھ جایا کرتی تھیں۔

قدیم آتشکدوں کی دیواریں عصری تشدد کی وجہ سے مٹی ہو گئیں، لیکن جو اس تشدد کے باوجود بچ گئیں۔ ان پر لکھی قدیم ایرامی اور عبرانی رسم الخط میں لکھی عبارتوں کا۔۔۔ صالحین نے جو ترجمہ کیا ہے وہ

قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ جو میرے نزدیک نثری نظمیں ہیں۔

میں بہلولی خطبات میں چھپے سفرنامے، افسانے اور نثری نظمیں اطمینان سے سن رہا تھا۔ بہلول نے بڑے اطمینان سے اپنی گٹھڑی سے ایک چیز نکالی، جو نہ تھرماس تھی۔۔۔ نہ ہی مشکیزہ یا چھاگل تھی۔ بلکہ ایک بوتل پر کپڑا سا لپٹا ہوا تھا۔ پھر اس میں سے۔۔۔ دو پیالوں میں پانی ڈالا۔۔۔! ایک بوسیدہ سے رومال میں سے سوکھی روٹی کے دو ٹکڑے نکال کر، ایک مجھے دیتے ہوئے، خود بھی مزے سے ایک ٹکڑا پانی میں بھگو کر کھانے لگا۔ روٹی کھانے کے بعد۔۔۔!

اس نے ایک نوک دار پتھر لیا۔ اپنی ٹوٹی چپل کے اوپری حصے کو تلوے پہ رکھ کر، دوسرے پتھر سے ضربیں لگائیں۔ جب اوپر نیچے دونوں طرف سوراخ ہو گیا۔ تو اس میں دھاگہ ڈال کر باندھ لیا۔ پھر اسے پاؤں میں پہن کر ایک ہاتھ میں پوٹلی جیسی گٹھڑی اور دوسرے ہاتھ میں لاٹھی لیے چلنے لگا۔ وہ اس وقت نہ چرواہا۔۔۔ نہ ساربان لگ رہا تھا۔ بلکہ اک خانہ بدوش لگ رہا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ میری حالت سیلانی، آوارہ جیسی تھی۔

میں مختلف خیالوں کے ہجوم میں زائرین عرفان کی عقلیہ حقیقت کے تلازموں میں معنویت کا نسب نامہ دیکھ رہا تھا۔ شام کا دھندلکا۔۔۔ دھیرے دھیرے تاریکی کی چادر اوڑھتے ہوئے، ستاروں کو جھنجھوڑ کر، جگا رہا تھا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ سورج، کعبہ کا طواف کرنے کے بعد، نجف کی طرف چراغ جلانے چلا گیا تھا۔ پرندے مشکل لمحوں کے چہروں پر لکھی تحریریں پڑھتے ہوئے، بحث ومباحث کے دوران مناجات ومنقبت پڑھتے ہوئے، خاموشیوں میں ڈوب کر، ساحرانہ نیند کی وسعتوں میں نہ جانے کن خوابوں کی آغوش میں سو گئے تھے۔ میں اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔ کہ۔۔۔ بہلول کی چپ کا روزہ افطار ہو گیا، وہ میری طرف دیکھے بغیر روانی سے بولنے لگا۔

عبداللہ۔۔۔! جب ہم کسی غیر مانوس بستی میں داخل ہوتے ہیں۔ تو لوگ ہمیں سوچوں کے بیچ کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن کتے بھونکتے ہیں۔ حالانکہ وہ فقیروں کو بھی دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ حقیقی فقیر میں ایجابی کیفیت ہوتی ہے۔ مسافر میں حساسی قبولیت ہوتی ہے۔ دونوں فکری اور عملی قوت کی شرطوں کے اسیر ہوتے ہیں، جو خواہشوں کی تسخیری مشقوں میں خیالی مضامین کے رجحان کو تشکیکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

وہ تکمیلی ہیئت کو امکان کے روبرو نفسیاتی معانیوں کی وفاداری کو لمبے عرصے تک تجرباتی لیبارٹریوں میں نہیں رکھتے۔ کیونکہ دونوں کو تسکینی لطافت سے غرض ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ ایک پرانی گلیوں

میں صدائیں دیتے ہوئے نکل جاتا ہے، اور دوسرا جذباتی بقاء کے رومانی عہد کو مختلف جزیروں کے صفحوں پر لکھتا چلا جاتا ہے۔ یہی فکر طرازی کا مربوط زاویہ تعلقات مصوری کے حوالوں میں لمحوں کی طرح تقسیم ہو کر، دلفریب رنگوں کی تفہیم کرتا ہے۔

ان سارے معاملات میں افکاری قافلے تسلیمی اعمال کے ساتھ محوِ سفر رہتے ہیں۔ یہی سفر کبھی واقعاتی تو کہیں داستانی بیانات کی عمومی صداقتیں بن کر، تاریخی مواد بن جاتا ہے۔ اس مقام پر تسلیم شدہ بیان، اس لیے حقیقت سے خالی نہیں ہوتا۔ وقت کے سائے میں کچھ لوگ جہاں سے قافلہ نکلتا ہے۔ وہیں واپس آجاتے ہیں اور کچھ لوگ جہاں قافلہ جا کر قیام کرتا ہے وہیں رہ جاتے ہیں۔ پھر اجتماعی رسوم کے تہواروں میں جو واقعات پیش آتے ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

اسی بیانیہ تحریک کے سلسلوں میں ضد اور انا بھی شامل ہو جاتی ہے۔ میرے دل میں ایک درد سا اٹھا۔۔! جو آسمان پر مجھ سے لپٹ لپٹ کے۔۔! زمین پر جانے سے روک رہی تھی۔ وہ چاندنی کی طرح ذہن میں اتری، پھر دل کی زمین پر دید کی پیاسی۔۔۔ ایڑیاں رگڑنے لگی۔ بس اس کے ایڑیاں رگڑنے کی دیر تھی۔۔۔ کہ میری آنکھوں سے چشمے بہنے لگے۔ بہلول میری طرف دیکھتا رہا۔ میں بڑ بڑانے کے انداز میں، چند نثمیہ لائنیں بولنے لگا:

فلک کی جالیوں سے۔۔۔!
زینت حسن دف بجاتے ہوئے اترنے لگی
دست حنائی کے زاویوں میں!
کشش قاف کی ہیئت ویران جھیلوں کو سبزہ گاہ کرنے لگی
اس کی خوشبو۔۔۔!
زمانوں کے دل میں اترتے ہوئے!
دل کی دھڑکنوں میں۔۔۔ آہٹوں کو بنتے ہوئے!
بزمِ فسوں کی خیمہ گاہ کو!
محبت کی خانقاہ۔۔۔ خانۂ عشق کو بارگاہ کرنے لگی

میری مسافت گرد آلود۔۔۔میرا اثاثہ جنگلوں میں بکھرتا رہا
اس کے وعدوں میں چھپا لمس۔۔۔!
پھر بھی اسی کی محبت کا پتہ دیتا رہا
صندل میں بسی روشنی صحرا کو آباد کرتی رہتی
بدن زخموں کا فرغل پہنتا رہتا۔۔۔!
روح تڑپتے ہوئے۔۔۔اسے یاد کرتے ہوئے۔۔۔!
غار قیس سے دشت لبنیٰ کی طرف نکلنے لگی

عبداللہ جانی۔۔۔! میں تمہیں برا نہیں کہتا۔ میں بس تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں۔۔۔! تم جس سے بھی ملو، وہ تمہاری دھڑکنوں کو سمجھ لے۔۔۔! میں نے آج پہلی بار۔۔! بہلول کو اداسی میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے اپنی دھن میں مگن بول رہا تھا۔ چند لمحے سانس لینے کو رکا، اور پھر روانی سے بولنے لگا۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں، کہ تمہارے دل میں بسی محبوبہ کو۔۔۔ یہ لوگ پہچان لیں۔ دیکھو ایک کی پسلی نکال دی گئی۔ لیکن وہ زندہ ہے۔ جو پسلی نکلی۔۔۔ وہ اپنی علیحدہ حقیقت سے اپنی الگ پہچان کے ساتھ تیری روح میں اتر گئی۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ جب۔۔۔!

خدا اپنا پہلا خطاب کر رہا تھا
سبز بانہوں کی تخلیق میں!
سرخ موجوں کی روانی کنواری کرنوں میں ہمراز تھی
مخمور معانیوں کی ہمراز۔۔۔ فسوں خیز زندگی
تیرے پہلو میں بیٹھی۔۔۔!
مقطعات عشق کا ورد کر رہی تھی

جب تیرے پہلو میں تیری محبت، چاہت بیٹھی، تجھے بڑی فریفتگی سے دیکھ رہی تھی۔ تب تم نے بھی بہت کچھ بولا تھا۔ یاد ہے نا۔۔۔؟

جب تو نے فلک کی جالیوں کے نزدیک
بارگاہ عشق میں پہلا کلام کیا تھا
وہ مست چراغ کی الست روشنی میں!
آب مغرب، تاثیر عشاء کی زندگی میں!
دست حنائی میں ایجاب نثر قبول نظم کی کتاب لیے آئی تھی
تہجد شناس نظروں سے دیکھتے ہوئے!
فجر شناس ہونٹوں سے چومتے ہوئے!
پہلے رشتے کی استواری میں!
ماہتابی کساء بن کے جھک رہی تھی
حواؑ کی طرح لپٹ رہی تھی

بہلول یہاں رکا نہیں بلکہ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے شہادت کی انگلی سے ریت پر دائرہ بناتے ہوئے کہا۔۔۔!
معلوم نہیں تم نے فلک پر کتنا عرصہ گزارا تم اگر اک دوسرے کی بانہوں میں گم ہو جاتے، تو کئی بہاریں طواف کرتے ہوئے، تم دونوں کی حالت دیکھ کر، مختلف کیفیات کو الوہی فرغل پہناتی۔ خوشبو کی شناسا آیتیں تلاوت کرتی رہتیں۔ پھر آنے والے وقت میں جن کھڑکیوں کے پردوں سے تم نے باتیں کرنی ہوتی تھیں۔ انہی پردوں کے گیت گاتیں۔ لیکن تمہیں تو اپنی محبت سے فرصت نہ ہوتی۔ تم تو قطرہ قطرہ شبنم کی طرح معصومیت سے شباب کے دائروں میں فقیہہ سانسوں کی توریت والا انجیل کے لہجے میں تلاوت کرتے رہتے۔۔۔ فریفتگی کی محراب پر زبور کی رحل پر سورہ یوسف کی تفہیم و تفسیر میں گم رہتے ہوئے:

جذبات تطہیر کے منظروں میں!
ولایت جذبات کی سمتیں متعین کرتے ہوئے
کوہ بلقان کی وادیوں میں۔۔۔ کون لبنان کے دامن میں!
صندلی جنگلوں سے سرگوشیاں کرتی ہواؤں کو سوچتے رہتے تھے۔
عہد الست کے ذوق وفا کو۔۔۔!

آب ایلافِ دلنشیں کو۔۔۔!

لاہوت و جبروت پیالوں میں بھرتے ہوئے!

کبھی تشکیل میکدہ میں۔۔۔کبھی وارفتگی کی مدہوش دھڑکنوں میں!

تعبیرِ خواب کے مکمل زاویوں کے ساتھ پیتے رہتے

جمیل تقاضوں میں۔۔۔بنتِ خمار کی سرگوشیاں گونجتی رہتیں

تم میثاق چاہت کی سطروں میں ڈوبے!

خیر العمل کی فسوں زا دنثری نظمیں لکھتے رہتے

پھر اس کے بعد۔۔۔وہ ابتدائی بقاء میں اجتماعی اجتہاد کی تمنا اور فناء کے تخیل کا رنگ بھرتے ہوئے، کریمی حسن میں بدلتے موسموں کا رنگ سمو کر، معانیوں کی درجہ بندی بدلنے لگا۔ منطقی روشنی کے اجزائے ترکیبی میں مستقیم مقدمات کی پہچان کو تقسیم کرتے ہوئے، بنیاد و تعلق کو مستقل تلازموں کے ساتھ واضع کرنے لگا۔ میں اس دوران عجیب کشمکش کا شکار ہو کر، ان ادبی وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ جن میں زرتشی عورتیں اجوائن کے ساتھ صندل سلگاتیں پھر اپنے محبوب کا نام لے کر۔۔مختلف پتے اپنے سینے، اور ہونٹوں پر لگا کر، محبت کے لفظ بولنے لگتی۔

قیس بن ذریع اللیثی کنعانی اور لبنیٰ کی تصویریں ذہن سے دل کی وادیوں میں اتر کر، درد جگا دیتیں۔ قیس بن الملوح اور لیلیٰ عامری کی تصویریں بہت رولاتیں۔ لیلیٰ عامریہ نے شادی کی، ہجر کے باوجود بھرپور زندگی گزاری۔ لیکن لبنیٰ ہجر کی ماری۔۔۔دید کی پیاسی دوران عدت روتے روتے فوت ہوگئی۔ شاید اسی لیے مجھے اکثر ایسا محسوس ہوتا ،جیسے میں لیلیٰ کی گود میں سر رکھے روتا ہوں۔ وہ میرے بالوں کو سنوارتی، مجھے دلاسہ دے کر ماتھا چومتی محسوس ہوتی۔

میں جس کا تقاضہ تھا۔ میں جسے چاہتا تھا۔ وہ زمین پر ابھی تک نہیں آئی تھی۔ لیکن مجھے وقت ان صفحوں پر تحریر کر رہا تھا جن کو پڑھ کر آنے والے دور کے لوگ یہ ضرور سوچیں گے کہ میں نے کن کن سے باتیں کی تھیں۔ بہلول نے شائد میری سوچوں کو پڑھ لیا تھا۔

وہ تھوڑا سا کرخت ہوا۔۔۔پھر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، انتہائی سرد لہجے میں بولا۔۔۔!تم کیا زیوس ہو۔۔۔؟ اشوت نامی سپاہی ہو یا کرشن۔۔۔؟

یاد رکھو۔۔۔! سب سے پہلے الفاظ کو ان کی روانی میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔ اس سلسلے میں بہتر یہی ہوگا کہ جس روانی سے تم مانوس ہو، اسی روانی کو اپناؤ۔ پھر قطرہ سحر سے شفق تک کا سفر طے کرو۔ پھر تسلیم شدہ

حجاب کے بارے میں محسوس ومعلوم کو پرکھتے ہوئے ،علم الاحادثات اورتعبیری احساسات کے دلائل کے بارے میں مختلف اذانوں کی تشریح بھی کرلو۔اگرتم اس مقام تک پہنچ جاؤ گے۔تو صالحین اورمنافقین کے درمیان سولی پرلٹکنے سے بچ جاؤ گے۔

یوں پھرتم اسیرسوسن، حیرت نسترن کی گرہیں کھول کر،آنکھ اور دماغ کے درمیانی افق پر چمکتے ستاروں کو دیکھ لو گے۔ جوجلامی احساسات کے ساتھ وقارازل سے محشری افراتفری تک کی داستاں سنا رہے ہوں گے۔اسی داستان سے آتش پرستوں کا جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپنا،لباس بدلنے والوں کا مختلف وادیوں میں رہنے والوں کے ساتھ گل مل کر رہنا، پھران سے آرین کا وجود میں آنا سمجھ آجائے گا۔

یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔مہندی کے سبز پتوں کوتوڑ کر ہاتھوں پر ملنے کے بعد، جب دھویا جائے تو سرخ رنگ عیاں ہوجاتا ہے۔اسی طرح فطری حقیقت کی راہوں پر چلتے ہوئے ، جب اعمال معنی کے نظریہ کی تشکیل ہوتی ہے۔تو پھر تشکیکی رگوں کوکاٹتے ہوئے، منطقی جذبات کا رنگ ابھرآتا ہے۔

تم مجھے ترتیب تعلق کے دائمی خیال اورمحسوسات جمال کے زاپچوں میں مشکوک نظر سے نہ دیکھو۔ کیوں کہ سارا قرآن گواہ ہے کہ مرکزی شعوراور ذات محسوس کوعلیحدہ کرتے ہوئے ،معلوم کوتسلیم شدہ منزلوں کی طرف آتے ہوئے ،مسافت کے معنی اورمنکرین کا تسلسل واضع ہوجاتا ہے۔

''ہم رات کے سینے سے دن کوکھینچ لیتے ہیں۔''(القرآن)

یہاں شعور کا سفر اندھیرے سے روشنی کی طرف اور پھر روشنی سے اندھیرے کی طرف واضح ہے۔اس کے بعدانجیلِ مقدس کی آیت بولتے ہوئے آگے بڑھ جاؤں گا۔

''جوجان گناہ کرے گی وہی سزا پائے گی۔''(انجیلِ مقدس)

اس کے علاوہ دوسری آیت جو ماورالنہر کے علاقے میں مسلمانوں کوزندہ جلانے کے لیے بولی تھی۔ وہ بھی بول دیتا ہوں۔

''جس درخت سے پھل نہ ملے اسے کاٹ کرجلادو۔''(انجیل مقدس)

لیکن جب گالوں اور کلائیوں پر سرخ رنگ کوسورہ الرحمٰن میں ''لولو والمرجان'' کی میزان پر دیکھتا ہوں تو بائبل کی یہ آیت بھی یاد آجاتی ہے:''خداوند نے شمال کی جانب صحرا میں دریا کنارے اپنے لیے ایک عظیم مذبح وقف کیا ہے''۔(پرمیاہ)

ارداس

توحید فلک کی تفہیم کرتے ہوئے!
صحرا کے جلال کو تبسم تقسیم کرتے ہوئے!
خزاں کے سینے سے بہار نکال کر!
دشت بیاباں میں علی اصغرؑ مسکرا رہا ہے
تورات والانجیل کی مثالیں یاد دلا رہا ہے
مدینہ و نجف کے زائروں میں!
سبز موسم کے حسین دائروں میں!
جنوں کی شرطوں میں باب وفا کی تفسیر کرتے ہوئے!
مزاج شمال کے دائروں میں!
انجیر کی گود میں زیتون کا چہرہ دکھا رہا ہے
تورات والانجیل کی مثالیں یاد دلا رہا ہے
تہذیب عشق کی بارگاہ میں!
سرخ موجوں کی روانی میں۔۔۔ پیاس کی کہانی میں!
نصاب بیخودی کے یقینی زمانوں کی سبزہ گاہ میں!
ساحلوں پر بکھرے اثاثے کی داستاں سنا رہا ہے
ابن حیدر۔۔۔ابن حیدر بن کے مسکرا رہا ہے
تورات والانجیل کی مثالیں یاد دلا رہا ہے
اے حسین ابن علی تجھ پر سلام
اے بنتِ حسینؑ وعلی تجھ پر سلام

سلام

جس نے ہجر کی خندق سے!
وصال کی نقیب ناقہ کھینچ کر لاتے ہوئے!
آپ چاندنی جیسی سفارت سے!
سوالی اسرار اور گرد آلود بھید کے منہ دھوتے ہوئے!
بے یقین دست کی رگوں میں!
سنہری تبسم۔۔اثبات وفا کی زندگی کو بھر دیا
اس ''الحسین منی'' کی حقیقت پہ لاکھوں سلام
جس نے مزاج سبز بہار کی کتاب سے
چادر تطہیر سے گرد صاف کی
جس نے درِ علم سے علم کے شہر تک!
طاق ساعتوں کیساتھ پاسبانی کرتے ہوئے!
قاتلین، منافقین اور قابضین کے چہرے دکھا دیے
جو آج بھی لامکاں۔۔۔عصرے رواں میں!
یزیدیت کی دھجیاں اُڑا رہا ہے

اس قتیل نینوا پہ لاکھوں سلام
جس نے بنجر وادیوں کی طرف!
سبز خوشبو کا رخ موڑ دیا
جس نے فاصلوں۔۔۔ساعتوں کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے!
ویران دشت کا رشتہ!
الوہی سبزہ گاہ سے جوڑ دیا
جس نے لسان فلک کے لہجے میں!
''واَنامِن الحسین'' کی تشریح نوک نیزہ پہ کی
اس حسینؑ ابن حیدر پہ لاکھوں سلام
بنتِ حسینؑ وعلیؑ پہ لاکھوں سلام

ارادھنا

(کرونا وبا کے تناظر میں)

آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے
محبت کی نشانیوں کو دفن کرتے ہوئے!
صبح وشام کے معانیوں میں!
لذت خواب کی تعبیر کو پیاسا تڑپتا چھوڑ دیتی ہے
اے محبت۔۔۔اے محبت۔۔۔!
میری رگوں میں رواں دواں۔۔۔اے محبت!
تو بھی دیکھ رہی ہے
دلفریب دھڑکنوں کا دشمن!
سبز درختوں کے سائے میں۔۔۔!
میرے خیموں کو جلانا چاہتا ہے
میری معصوم کلیوں کی لاشیں!
ویرانوں بیابانوں میں بکھری پڑی ہیں
میرے دو بیٹوں کے کٹے سر قصرِ عمارہ میں!
دھڑ ندی میں لمحوں کے ساتھ بہتے جا رہے ہیں

وصال مبیں کی وسعتوں میں!
مقام جمال کی رفعتوں میں!
سبز بہار کا دشمن۔۔۔!
خوشبو کے قبیلے کو برباد کر رہا ہے
اے محبت۔۔۔میری پیاری سبز محبت!
تیری چادر تطہیر سے مس ہو کر!
عود و لوبان زندہ ہوتے ہیں۔۔انجیر و زیتون مسکراتی ہے
نیازِ الہام نامہ بروں میں تقسیم ہوتی ہے
فرشتے خود تیری دہلیز تک چلے آتے ہیں
اے محبت۔۔۔جمال شہابہ کی ردا، کساء محبت۔۔۔!
دشمن نے ہواؤں میں زہر گھول کر!
ظہر اور عصر کے بیچ میرے بازو کاٹ دیے ہیں
گھونسلوں میں فرشتوں کو جلا دیا ہے
میں سورہ عشق کی تلاوت کر رہا ہوں
وہ میرا سر بھی کاٹنا چاہتا ہے
اے محبت۔۔۔ذرا صبر۔۔۔!
بس اب مسیحا آنے والا ہے

بہلول جب مذبح کی باتیں کرتے ہوئے ،تصوراتِ آشنائی کی لازمی شرطوں میں ساختیاتی اعمال کی تنہائی بیان کررہا تھا۔تو یہ وہ مقام تھا، جہاں سوالات کی بہتات ختم ہوجاتی ہے۔ یہاں صادقین کے اذہان اور دھڑکنوں کے بیچ طلسم سولی پر لٹکتا نہیں، بلکہ طلسم قلندروں پر نازل ہوتے ہوئے ،سمعی اور بصری احساس کی شکل بن کر جنون کو جگا دیتا ہے۔اس سارے منظر نامے سے آگہی ،شعور حاصل ہوتا ہے۔ جو خیالات کو خزانی نیزوں سے اتار کر، احوال شعور کے صادق ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر شفاف بصیرت کی فطری منزلوں میں موجود یادوں، خیالوں اور جذبات کے احسن التقویم کی وادیاں دکھاتا ہے۔ پھر احساسات بسیط کے عصری فلسفوں سے منسوب تشکیکی علامتوں کی روانیوں میں مختلف حالتوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ حقیقی نظریات میں جلال و جمال کا صحیفہ کھولتا ہے۔

اضطراب کی کیفیت کو،سکون کی حالت سے علیحدہ کرتے ہوئے ،متغیر شہادتوں کو عجمی نظریات کے روبرو لا کھڑا کرتا ہے۔اس سے عبرانی مسافتوں کی حالت واضع ہوکر،سفر ناموں اور افسانوں کے چہرے دکھاتی ہے۔ لیکن ذہنی اور جسمانی تعلقات کی روانی درد اور اذیت کے بارے میں دلائل دیتی رہتی ہے۔جس سے کبھی رادھا اور کرشن کے افسانے عیاں ہوکر، میرا اور لبنیٰ کی ہیئت ظاہر کرتے ہیں۔کبھی رام چندر اور سیتا کی داستاں موسیٰؑ اور ان کی کہانی کے نمونے واضح ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔اس مسافت میں ضروری نہیں، کہ زخم نظر آئیں۔

اگر زخم نظر آئے گا،تو درد اور اذیت کی نثری نظم ضرور واضع ہوجائے گی۔وہ چاہے رادھا کے لبوں سے ادا ہو یا میرا کی دھڑکنوں سے۔۔۔!ان سبھی سے انکار ممکن نہیں۔اگر انکار واجب ہو تو متحرک برچھی اسباب ہیئت کے سینے میں اترتی نظر آئے گی۔جس کے ساتھ خنجر بھی ہوگا۔جو سارے مکافاتِ عصر کی گردن کاٹ دے گا۔بدعت ناچتے ہوئے آئے گی اور خمار کا سینہ چیر کر کلیجہ نکالے گی،قہقہے لگاتے ہوئے، چبائے گی۔ضد اور انا فریفتگی کو سنگسار کرتی رہے گی۔

میں نے بہلول کی باتیں سنتے ہوئے ،اک ٹھنڈی آہ بھری۔۔۔!چند لمحے عقلی صداقتوں سے استدلال کرتے ہوئے، تسلیمی میدان میں اختلافات کے روبرو تعلقات یقین کی سند کو دیکھا۔سبز اور نیلے باب سے ماہرین حرف و معانی کے سیاہ و سفید کی علمی صلاحیت میں زردیوں کی گرہیں کھولتے علم کی روشنی میں کہا۔۔۔!

آپ نے تو بے دردی سے قتل عام شروع کر دیا۔

مجھے سبز پیڑوں کے سائے میں!
ابھی زخمی پرندوں کے ساتھ!
طاق سحر کے رازداں کی۔۔۔
ظہر کے خیموں میں مسافتوں کے امین کی!
عصر کے روبرو۔۔۔سورہ حسن کی تلاوت کرنی تھی
فطری تہذیب کے ابجدی منظروں کو بیان کرنا تھا
دیواروں پر لہو سے لکھی ہوئی!
ممکناتِ جمال کے طلسم کی حکایتوں سے ملاقات کرنی تھی

میری یہ باتیں سن کر۔۔۔بہلول پھر سے اپنی پرانی روانی کی حالت میں آ گیا۔اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔!عبداللہ۔۔۔!

تمہیں جس سے پیار ہے۔تم اسی کے خمار وسحر میں ڈوبے رہتے ہو۔کبھی اندر کی آنکھ کھولو، اور اپنے اردگرد دیکھو۔۔۔!تو تمہیں رجی راشی بھی نظر آئے گا۔

یہ رجی راشی وہی ہے، جس کے ماں باپ نے اس کا نام صلوموا سحاق رکھا تھا۔اس نے تالمود کتاب کی شرح و تفسیر لکھی ہے۔اس کی تفسیر وشرح کے حوالے سے یہودی علماء نے اپنے اپنے نظریات بیان کیے ہیں۔جس میں صحیفہ شیثؑ کے بارے میں دلائل اور ایسی تحریریں لکھی ہیں۔جن کا کرافٹ نثری نظم سے ملتا جلتا ہے۔غور سے سنتے رہنا۔میں نے قریب ترین نہیں کہا۔۔۔!اس میں عشرہ تقویمی جو اہل مجوس میں بھی ملتا ہے لسان داؤدی، اشکنازی کے ساتھ تقویم حنوکاہ، بیت مدراش، لسان القدس، صنمیات تورات جیسی کتابوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

میرے نزدیک یہ ساری کتابیں یہودی معاشرے نے صرف ''پسندیدہ قوم'' کے لیے ہی لکھی ہیں۔ لیکن قدیم ساختیات، مابعد قدیم ساختیات کی راہوں پر چلتے ہوئے، وہ تورات کی اہمیت کو بھول نہیں

سکے۔اس کے علاوہ یہودیت کی علمی اورادبی کتاب ''زوہر'' یا ''ظہر''۔۔۔!ترتیب وتاریخعال Olam "Sederrabbah the great order of the world" اسی کا حصہ ہے۔جس کی ''یوم العالم'' سے بھی کچھ روایتوں کی رشتے داریاں ملتی ہیں۔ اس میں کچھ ترمیم کرنے کے بعد ''قصص اسرائیلیات (اَگادایا اَگدہ) سے بھی یادکیا جاتا ہے۔تلمود کتاب،ایسی کتاب ہے،جس سے یہودیت اور مسیحیت کے ساتھ مسلمانوں کوبھی انکارکرنے کی ہمت نہیں۔

اس کتاب میں دریائے فرات کے ساتھ ساتھ جودشت بیابان پھیلا ہوا ہے،اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔اس میدان سے جونبی گزرااس کالہوضروراس میدان میں بہاتھا:

نہ جانے پرانے درخت کی شاخوں سے
کس کے سفر کی باتیں کرتے تھے
پھرتڑپتے ہوئے۔۔۔زمیں پرگرتے ہوئے!
پرندے زندگی کے محور سے نکل جاتے تھے

ارداس

دریائے کون ومکاں میں!
زیتون کے تبسم کی پتیاں گراتے ہوئے
دست جنوں سے محل کے روبرو چراغ جلاتے ہوئے
اسیران وفا دل کے دروازے پر دستک دے رہے تھے
ثبوت جذبات میں انگلیاں کٹ رہی تھیں
آنکھوں سے صحیفے بہہ رہے تھے
سبز لباس پہن کر۔۔۔!
محبت سنگلاخ دیواروں سے نکل رہی تھی
راہوں میں ایک گلاب بکھرتے ہوئے!
ھذا محبتً طریقتم ۔۔۔واَنا من الحقیقتم کہے جا رہا تھا
کشش قاف کی وسعتوں میں!
اک مجذوب دشتِ بیاباں کی خاک کو۔۔۔خاک شفاء کیے جا رہا تھا

سلام

جب شفق کے کانوں میں بالیاں چمک رہی تھیں
آباد حویلیوں کی سنہری جالیاں چمک رہی تھیں
طاق میں روشن چراغوں کو۔۔۔!
کھڑکیوں اور دروازوں کو۔۔۔!
صفاء اور مروا کی چوٹیوں کو چوم کر۔۔۔!
ہوائیں عقیدت میں جھک کر سلام کرتی تھیں
پھر شفق کی چمکتی بالیوں کے۔۔۔!
سنہری چمکتی جالیوں کے روبرو۔۔۔!
باوفا قافلے کی تشکیل میں!
قافلے کا ساربان، رازداں چنا گیا
سوسن ونسترن کا گلابی قرار چنا گیا
باوفا صحیفے کے ساتھ۔۔۔خیمہ بھی۔۔۔!
ماہتابی شباب، چراغ اور ردا بھی تھی
پھر ظہر ہوئی۔۔۔عصر بھی گزر گئی
اب تو دشت نینواء پر۔۔۔!
سوسن ونسترن کے پھول بکھرے ہوئے ہیں
جلتے خیموں کا دھواں ہی دھواں ہے
اے حسینؑ اب علیؑ تجھ پر سلام
اے بنتِ حسینؑ وعلیؑ تجھ پر سلام

سلام

جس نے خواب کے دین۔۔۔سحر کے ایمان کو!
روشن استعاروں میں گونجتی اذان کو!
چاہتوں کے شفیق موسموں میں سمو کر!
چاروں سمتوں کے سنگم پر۔۔۔
تطہیر کساء کا پانچواں چراغ روشن کیا
اس حسینؑ ابن حیدر پہ لاکھوں سلام
جس نے موت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر۔۔۔!
نوک نیزہ پہ سورہ کہف کی!
توریت والانجیل کی گرھیں کھول دیں
سرمئی لوح کی رگوں میں سبز زندگی بھرتے ہوئے!
جس نے میزان حق میں!
درِ وفا۔۔۔شہر وفا کی آبرو تول دی
اس حسینؑ ابن علیؑ پہ لاکھوں سلام
بنتِ محمدؐ وعلیؑ پہ درود وسلام

میں مختلف خیالوں میں الجھا ہوا تھا۔لیکن بہلول نے محبت کی باتوں میں مختلف تلازموں کو واضع کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں انسانی نمود اختیار میں محبت کی داخلی اور خارجی کیفیتوں میں جنگ سے کتراتے ہوئے،۔۔۔خیال، آرزو اور چاہت کے دامن تھامتے ہوئے، تنہائی پہ فریفتہ گزرتے لمحوں کے درمیان احساس تازگی کی وسعتوں میں جو بھی سوچتا۔ وہ نثری نظم یا ثم کی شکل میں ہی سوچتا۔ حالانکہ میر نے نزدیک نثری نظم اپنی شکل، کرافٹ اور ''انزلناھوفی لیلۃ القدر'' کی ہمراز نظر آتی ہے۔ جب کہ ثم کے نام کو عقلیہ کی تخلیقی جامعات میں اصلاحی دائرے میں ملنساری کی تہذیب کے طرز عمر کی لمبی مسافتوں کے بعد سامنے لایا گیا ہے۔

ان دونوں اصناف یا ایک ہی صنف کے دو نام کہہ دیا جائے۔ مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں۔لیکن ریاض مجید کے حوالے سے اکثر مختلف شعراء سے باتیں ہوتی رہی ہیں۔اس میں بحث کا لفظ جان بوجھ کر حذف کیا ہے۔ اس میں جناب خالد احمد صاحب، مقصود عامر صاحب، جواز جعفری صاحب، انہیں ثم سے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔

جناب وجہی صاحب، اقبال سید صاحب، روش ندیم صاحب، افتخار شفیع صاحب کے ساتھ ساتھ افتخار مغل، عظیم مشوانی، شکیل نایاب، اسحاق وردگ صاحبان کے ساتھ ساتھ شاہین احمد (ضلع چاغی) صادق مشوانی، علی قمبرانی، تاج الدین تاجور صاحب۔صلاح الدین درویش اور احمد ہمیش کے ساتھ جب بھی بات ہوتی، میں اس حوالے سے نثری نظم اور ثم کا کرافٹ علیحدہ علیحدہ منوانے کے لیے دلائل دیتا رہتا۔ڈاکٹر جعفر حسن مبارک، محمود سرور، حفیظ تبسم، امجد بابر اور میں جب کبھی ملتے، تو اس صنف پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔

جس میں علی محمد فرشی صاحب، نصیر احمد ناصر صاحب، اور دلائل کے حوالے سے اخلاق حیدر آبادی اور پروین کمار اشک کے ساتھ ساتھ شبہ طراز صاحبہ، خالد قیوم تنولی صاحب، حفیظ اللہ بادل صاحب، اختر رضا سلیمی صاحب، ماجد مشتاق صاحب سے بھی باتیں ہوتیں۔

اس دوران نثری نظم کے حوالے سے دو بدو تک بات چلی جاتی تھی۔جعفر حسن مبارک صاحب ''کیسپر کے دیس میں'' اور ''اپنے استنبول''۔۔۔جو کہ ان کے سفر نامے ہیں۔ان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے، خلیل جبران کا ذکر بڑے دلنشین انداز سے کرتے۔جس پر محمود سرور پر نزول کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

میں مشتاق شباب صاحب۔ناصر علی سید صاحب کے کالموں کی بحث میں بہت پیارے اسد محمود خان جو کہ خوب صورت ناول نگار اور سفر نامہ نگار ہیں۔ان کا بھی ذکر خیر چلا آتا۔جس پر ڈاکٹر جعفر حسن مبارک ان کے مضامین کے حوالے سے حرف و معانی کی لذتوں میں ڈوب جاتے۔نظم کے حوالے سے بڑا نام امجد اسلام امجد اور ان

کے بعد کمال نظم نگار ارشد نعیم کی ملاقاتیں بھی یاد آتیں۔ جس کی وجہ سے، عظمیٰ جان صاحب، نائلہ آپا، ریاض شاہد صاحب، فرتاش سید کے چہروں میں خالد سجاد صاحب کا میٹھا میٹھا لہجہ شہباز گردیزی کی طرف لے جاتا۔

خیالات کی رو سے جھٹکا لگتا۔ تو اظہر عباس کی شرارتوں میں نعیم گیلانی، اشرف نقوی، شبیر بٹ صاحب کی سنجیدہ گفتگو کے ساتھ ساتھ اصغر علی جاوید صاحب، اشفاق ورک صاحب، اکرم سعید صاحب، کے شفیق چہرے اکثر نثری نظم کے حوالے سے عصری دشت و بیابان میں۔۔۔ اک خوب صورت سائے کی طرح نظر آتے۔ وقت کا پہیہ اپنی روانی کیساتھ دن رات کے راستوں پر چلتے ہوئے، فخر زمان صاحب کی شگفتہ باتوں میں پشاور کے یار غار انور خاں کی باتوں اور ملاقاتوں کا احوال لے آتا۔

مجھ پر جب ایسی کیفیت طاری ہوتی تو اکادمی مفکر کے پلیٹ فارم پر ملنے والے عارف حسین عارفؔ سے دلی رشتہ قائم ہوا جو تا حال قائم ہے، طلوع سحر، ایوان نثری نظم کے دوستوں کے ساتھ میاں اقبال اختر، رشید مصباح، مقصود وفا، اشرف یوسفی، احمد شہباز خاور کی محبتیں، انجم سلیمی بھی یاد آجاتے جو میری نثری نظم پر محمود ثناء صاحب کی طرف دیکھتے، تو وہ کہتے، اس میں کیا خامی ہے؟ جس پر فضل حسین راہی کا قہقہہ گونجتا، عدیم ہاشمی صاحب کا آخری خط ابھی تک میرے پاس پڑا ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے میری ایک نثری نظم پر کہا تھا!

''تم میری جان ہو''

مقصود اختر، طارق ہاشمی، ریاض قادری اور قیصر ہاشمی کی محبتیں لازوال ہیں۔

میں خیالوں میں اور نہ جانے کہاں کہاں جاتا۔۔۔ کن نایاب صورتوں سے ملاقاتوں کے منظر دیکھتا۔ لیکن بہلول نے جھنجھوڑ کر۔۔۔ اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔! تم نثری نظم کے عاشق ہو۔۔۔؟

میں نے کہا۔۔۔ وہ تو میری زندگی ہے۔۔۔ میری رگوں میں سمائی ہوئی ہے۔

اگر یوں کہوں کہ۔۔۔ میری روح ہے۔

میں چاک سے میثاق نثری نظم لے کر اُترا تھا۔

مجھے صرف نثری نظم کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ میرے سینے نے نثری نظم کے لیے سانسیں قبول کی تھیں۔ میرے دل اور دماغ نے پہلا ایجاب وقبول نثری نظم سے کیا تھا۔۔۔ تو یہ جھوٹ نہیں۔

تم نے آسمان سے ہجرت کی، جب کہ عزرائیل کی وجہ سے، تم پہلے ہی مہاجر تھے۔ تم جامع حسیات

کے مربوط تسکینی مفہوم کے جواد و سخی ہو۔ جو خوشگوار حقیقتوں کی تعبیر کو تباہ نہیں کرتا۔تم محبتوں کے اسیر۔۔۔چاہتوں کے سفیر ہو۔

تم دشت جنوں میں زخموں کا فرغل پہن کر، ساحلوں تک آتے ہو، پھر سرسبز وادیوں کی طرف نکل جاتے ہو۔تم نے سبھی کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے، رتجگوں کو گلے لگایا۔تم نے اپنے قوانین کو کسی بھی طرح دوسروں پر مسلط نہیں کیے۔تم نے محبت کی طبیعات کو عرفان مسرت کی کیمسٹری میں کھولتے ہوئے، ضد اور انا کی رگیں کاٹنے کی کوشش کی۔

عبداللہ۔۔۔!جب طاقت کے نشے میں، کوئی دوسرے گھر کو تباہ کرتا ہے۔تو وہ وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ دیواروں، پودوں اور درختوں کے اتھ ساتھ پرندوں کی محبتوں، چاہتوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔وہ تو اپنے دل کی تسکین کرتا ہے۔اسے تیری محبتوں اور میری چاہتوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔تم جن چراغوں کو روشن کرو گے۔۔۔وہ ان چراغوں کو توڑتے ہوئے، آگے بڑھتا رہے گا۔حالانکہ زندگی محبتوں اور چاہتوں کی سوا کچھ بھی نہیں۔ دیوار گریہ سے دیوار جدائی تک، عہد الست کے بعد موجودہ دور تک۔۔۔!

محبتوں کے کتنے موسم آئے؟ زمین پر پہلا خون ہوا۔۔۔لیکن محبتوں، چاہتوں کو محسوس نہ کیا گیا۔لڑائیوں سے گھروں میں رونقیں نہیں آتیں۔

نینوا سے رے، قم، سامرہ تک آتے ہوئے، کئی گل گاؤزبان، گل مریم اور زعفران آگ میں جل گئے۔کئی پھول جن میں خصوصاً چمپا، سیوطی، رات کی رانی، اور گل داؤدی راہوں کی دھول میں مل گئے۔۔۔! محبت۔۔۔ہائے محبت۔۔۔!اس کے آنچل کو۔۔۔خوب صورت چہرے کو کسی نے نہیں دیکھا۔

محبت۔۔۔توحیدی اسرار کی گرھیں کھولتے ہوئے!
مکرم وجدان کی قوسیں عیاں کرتی ہے
یہ تسلیمی۔۔۔ابجدی قافلوں میں!
ناقہ ومحمل کے اعراف کی سمتیں دکھا کر۔۔۔!
نقاط مسافت کے تعلق میں!
بقائے سبز قطب۔۔۔اور دائم دھڑکنوں کو
آوارگان دشت میں شامل آہوؤں کی داستان میں پروتی ہے

یہ علمی اثبات کو ہیجان وفا میں سمو کر!
خود کفیل آفاقی فلسفے کی پہچان بن کر!
اصناف قلب اور دھڑکنوں کے جمالی جنوں کے بھید کھولتی ہے
اے میرے درویش۔۔۔اے خانہ بدوش!
یہ فسوں ساز، طرحدار، خماری اعتبار میں!
جمالی خواب کے ارغوانی، زعفرانی پھولوں کی قاموس الکتاب ہے
یہ رومانی، وجدانی اور روحانی گہرائی کا راز بن کر!
غلاف بقاء کی رازداں۔۔۔ایلاف وفا کی دمساز ہے
لیلیٰ لبنیٰ، عذرا اور نرگس کی دلفریب آواز ہے

بہلول اپنی روانی میں مست تھا۔ میں لاجوابی کے زنداں میں قید۔۔۔ابن علی واعظ کے تراجم میں ڈوبا ہوا۔۔۔! کنفیوشس، گوتم بدھ اور زرتشت کی تکون بناتے ہوئے، لی آن شن کی پہاڑیوں میں۔۔۔اس حسن پری کی محبت کو سوچ رہا تھا، جس کی زلفیں ہواؤں سے کھیل رہی تھیں۔ جس کو۔۔۔اس کے محبوب نے ریشمی پری کا نام دیا تھا۔ میں نے بہلول کے رکتے ہی کہا۔۔۔!

جب شعور زندہ ہوتا ہے۔ تو پھر محبت اور نفرت میں فرق نظر آ ہی جاتا ہے۔ صرف محبت ہی ایسا عنصر طلسم، خمار اور جادو ہے، جس کی ترتیب و تراکیب کے ذریعے متضاد راہوں سے ہٹ کر۔۔۔! سبز محراب کی آگہی اور اس پر روشن چراغ کی روشنی میں عرفانی نروان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ محبت ہی ہے، جو جنگ کا درس نہیں دیتی۔ یہ صوفیانہ، والہانہ، عاشقانہ وجد میں ڈبو کر، روح کے موسموں کی تکمیل کرتی ہے۔

جس کے بعد انگلیوں پر چھری چلے یا گردن پر خنجر۔۔۔! کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اس کی خانقاہ سے مسحوریت، مخموریت، مسروریت جیسی حقیقتیں ملتی ہیں۔ جو عشق کے مندروں، منظروں، سمندروں کی زیارت کراتے ہوئے، عشق کی بارگاہ میں مقام مستجاب تک لے جاتی ہیں۔ یہ ''مھیمن'' بن کے، سرے حیات سے تمہیں جمال کائنات کا زائر بنا کر! معصوم چشموں سے مقدس قلزموں کو دکھاتی ہے۔ جب یہ ساری منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو پھر یہی محبت تم پر ''محیط'' ہو کر۔۔۔نشاطِ محویت اور گلابی سجود کے بھید کھولتی ہے۔

میری باتیں سن کر، بہلول نے مسکراتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر بولا۔۔۔!

تم تکمیل روح کے مرحلوں میں تغیرات جذبات کی شکل سے واقف ہو۔۔۔؟ وہ محبت خوب صورت

ہے، کہتے ہوئے! دوبارہ شروع ہوگیا۔

یہ صبحِ جمال کی نبض پر ہاتھ رکھ کر!
شبنمی ہواؤں میں!
پرندوں کے گیتوں سے عیاں ہوتی ہے
یہ محبت عاشقین، مرسلین کا صحیفہ بن کر
نسیم سحر کا نشاط جمال بن کر!
صندلی جنگلوں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے!
زیتون والا نجیر کی دلنشین انداز میں تفہیم کرتی ہے
یہ سنہری کرنوں میں!
چنار وصنوبر سے گلے ملتی ہے
بہار زماں میں۔۔۔دھڑکنوں کی شرح میں!
لسانِ سبو میں۔۔۔چشمِ خمار کے شبنمی لہجے میں گفتگو کرتی ہے
کشش قاف کی طاق راتوں میں!
عہد جنوں، قلندرانہ فسوں سے روشناس کراتے ہوئے!
آرزو کے واعظوں کے ساتھ!
رسم کنعانی، تہذیبِ ایل خانی، آتش جاودانی، خانہ بدوش سیلانی دکھاتی ہے
ماریہ، فاریہ کے ساتھ۔۔۔!
زلفہ۔۔۔صودابہ کو بھی بلاتی رہتی ہے

بہلول نے گزرتے لمحوں کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے!
کائناتی رشتوں میں بامعنی لفظوں کی مساوات کا ایجابی سوچ کے قبولی جملوں کی صورت خیالوں کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے! مجھے عجیب وغریب سوچ کا شکار بنا دیا۔ جس کی وجہ سے۔۔۔میں ان وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ جن میں گل گامش کی نثری نظموں کو ہومر کے روبرو کرتے ہوئے، مشترک نمود کی جڑوں سے تخلیق

پانے والے پودوں کو رامائن، مہابھارت کی شکل میں رشیوں نے تخلیق کیا تھا۔ جن صالحین نے تراجم کیے تھے۔

ان کے مطابق اسباب مخرج کے عوامل مختلف کیفیات کا آئینہ بن کر، سورج کی روشنی میں چمکتے ذروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جس سے مختلف علاقوں کے رجحانات بندگی اور زندگی عیاں ہوتی ہے۔ لیکن اگر تم غور کرو تو آگ کی حقیقت نہیں بدلتی۔۔۔ بلکہ مختلف علاقوں میں، اس کی حیثیت اور مکرم ہونے کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ یہ آگ کہیں منقلب شجر کی راز داں، کہیں پرستش کا محور۔۔۔ کہیں اس کے گرد گھومنے والے، دن رات کے ساتھی بن جاتے ہیں۔

یہی آگ نار نمرود کی شکل میں موجود ہے۔۔۔ اور نار رام چندر کی شکل میں بھی (اگنی پرکشا) موجود ہے۔ بہلول جب بولتے ہوئے رکا۔۔۔ تو میں نے۔۔۔ حدود عصر میں کشش امکان کا رنگ بھرنا شروع کیا۔ ارتقائی جذبات کو تہواروں سے ملانے کی کوشش کرتے ہوئے، احساس و روایت کا ذکر کرنے لگا۔ بہلول صحرائی گرمی میں پسینے سے شرابور اک چشمے پر ہاتھ دھوتے ہوئے، میری باتیں سنتا رہا۔ پھر پانی پی کر میری طرف لوٹا۔ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر، اپنا عمامہ پتھر پر رکھتے ہوئے لیٹ گیا۔ کافی دیر بعد بولا۔۔۔!

سنو ناثم وقت۔۔۔ نثری نظم کے امام۔۔۔!

جب اس نے یہ کہا تو مجھے پروفیسر تاج الدین تاجور کی صدارت میں منعقد ایک اجلاس یاد آ گیا۔ جس میں ڈاکٹر اسحاق وردگ، چند سٹوڈنٹس، مہمان خصوصی مشتاق شباب (ڈائریکٹر اباسین آرٹ کونسل) پروفیسر شکیل نایاب، پروفیسر اورنگ زیب خٹک، انور خاں، شامل تھے۔

بہلول اپنی روانی میں مست وقت کے ساتھ رواں دواں تھا۔ اس نے مزید کہا۔۔۔!

دماغی رضا و رغبت میں جب تضادات رونما ہونے شروع ہوتے ہیں، تو میلانات کو تہواری شکل نہیں دیتے، اور نہ ہی ادبی جبلت کے ہیجان کو جذبات کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہیجان میں صرف سامنے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن جذبات میں احساس بھی شامل ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ موضوعاتی فکر کے باطنی رویوں کے تابع ہوتے ہیں۔ یہاں اعزاز علامت اور احساس روایت کو رد کر دیا جاتا، تو رامائن اور مہابھارت کی روش یونانی دریافت ہونے والے ادبی اثاثے سے کبھی بھی نہ ملتی۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عجم میں دیویاں تھیں۔ یونان میں بھی دیویوں کی موجودگی مختلف خطوں کو اپنی گرفت میں لیتی رہی تھیں۔

ہر دور میں مسکراتی آنکھوں کے مؤکل۔۔۔ احساسات و جذبات کے دشمنوں کی رگیں کاٹتے رہے۔ مذہبی افکار سنگدلی کے خلاف تھے۔ لیکن سنگ دلی سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

اس کے بعد بہلول نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔!

آسمان بتا رہا ہے۔۔۔آج رات بارش ہوگی۔اس لیے ہم ادھر ہی کہیں سایہ دار جگہ۔۔۔یا کسی پہاڑی اوٹ۔۔۔یا کسی ایسی جگہ کو ڈھونڈ کر۔۔۔قیام کریں گے جس کی وجہ سے بارش ہمیں تنگ نہ کرے۔ چلتے چلتے اک غار نما جگہ نظر آئی۔

بہلول نے کہا چلو رات گزارنے کا انتظام ہوگیا۔میں تو بس اپنے ہی خیالوں میں مگن تھا۔شائد میری سوچ چیختی رہتی تھی۔یا میں اونچی آواز میں بڑبڑاتا تھا۔لیکن پھر بھی میں۔۔۔!

حرف اور حدود معانی کی حیات و کائنات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔جو ایک جامع تصور کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔یہ کائناتی ماورائیت سے صبح تاریخ و اساطیر اور شام سوالوں کے چہروں سے آشنائی کرواتے ہیں۔اسی سے ایسی طاقت کا بھی پتہ چلتا ہے، جو بہت زبردست ہونے کے باوجود نظر نہیں آتی۔ میں نے بہلول کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔!

روح، جسم، موت اور خیر و شر کی علامتوں میں مختلف اشارے بکھرے ہوئے ہیں۔جو فروغ مسرت کی کشش کے بنیادی رشتوں پر محیط ہو کر۔۔۔مجوسیت، یونایت کے چہرے دکھاتے ہیں۔لیکن تنقید نگار مخالفت کرتے ہیں۔۔۔اور جو ادبی درویش ہیں۔وہ انکار نہیں کرتے۔ بلکہ لذتِ معنی میں کھو کر، نظام حقیقت اور تہذیبی فکر کے شاداب لمحوں کا تعاقب کرتے ہوئے، عقل کو تقسیم ہونے سے بچاتے ہیں۔وہ عملی کرداروں میں بہار کے زیر اثر رہتے ہوئے، گلاب و بہار کو نفسا نفسی سے دور رکھتے ہیں۔وہ شرح بسیط پر موجودات کبیر کا شعوری نغمہ گنگناتے ہوئے، ادراک کے بیچ ناقص اجتماعات کی فطرت کا پرچار بھی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کی کتابوں کو نذر آتش کرتے ہیں۔ایسے ہی لوگ زندہ اور حکیم فلسفے کے بانی ہوتے ہیں۔ایسے لوگ چراغ روشن کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔جب چراغ روشن ہو جائے، تو پھر ہواؤں سے لڑتے ہیں۔

اب بہلول مجھ سے متفق تھا۔۔۔یا نہیں۔۔۔!اس کا اندازہ لگانا میرے لیے مشکل ہو رہا تھا۔لیکن میں نے اپنی دانست میں سوال کی روح کو جواب کے سحر میں قید کر دیا تھا۔اب جو میں نے اسلوبی حیات کی تصویر کشی کی تھی۔اس پر بہلول پتہ نہیں ''اِنا اللہ و اِنَا علیہ راجعون'' پڑھ دیتا۔اس کے ذہن میں پتہ نہیں۔۔۔علمی لحاظ سے کب سبزی، دال یا گوشت پک رہا ہو۔مجھے پتہ نہیں چلتا تھا۔

ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔وہاں سرمئی ریت میں سفید اور سیاہ پتھر بھی نظر آ رہے تھے۔چٹانیں سنگلاخ

تھیں۔لیکن بھوری چٹانوں کے سلسلوں میں سیاہ چٹانیں بھی نمایاں نظر آرہی تھیں۔ جو مجھے نوشکی سے نکلتے ہی۔۔۔جنوب،مغرب کی طرف ریلوے لائن کے ساتھ شمال مشرق کی طرف سڑک۔۔۔جوتفتان تک بالکل متوازی چلتی تھیں،ریلوے لائن سے دوراورسڑک سے دور پہاڑوں کی یاددلا رہی تھیں۔جب کہ ہم سیستان سے کافی آگے نکل چکے تھے۔یعنی زہدان،سیستان سے قافلوں کی روانی کے حساب سے پندہ بیس دن کے فاصلے پر تھے۔

میں نے موسم کی گردش میں لباس بدلتے درختوں کا ذکر شروع کیا۔ پھر طبقاتی جزاوسزا کی تفہیم میں احساس فکر کی خصوصیات کوادراک کے قریب لاتے ہوئے،ہوا کے کندھوں پرسوار بادلوں کی باتیں کرنے لگا۔

یہ شاید صحرا میں کہیں کہیں سبزہ نظر آنے کی وجہ سے تھا۔ پہاڑی سلسلوں میں درخت بھی نظر آرہے تھے۔کبھی کبھی انتہائی سرد ہوا کا جھونکا۔۔۔! خیالوں میں بسے صحرائی جلال کا غرورتوڑتے ہوئے روح میں اتر جاتا تھا۔گزرتے لمحے شام کی ڈوری کھینچتے چلے جا رہے تھے۔سورج بادلوں میں آتشی رنگ جگاتے ہوئے،مغرب کے غار میں چھپنے کی تیاری کر چکا تھا۔

بہلول میری ساری باتوں کوسن کر صادق خیالوں کی تصدیق کوایسی سرخ کیفیت سے تعبیر کرنے لگا جو دکھائی نہیں دیتی۔لیکن جب احساس میں ڈوبتے ہوئے سوچا جائے،تو ساری تصویر ذہن کے پردے پرعیاں ہو جاتی تھی۔ وہ معیار کی تحقیق میں حقیقی ترسیلات کومتروک معانیوں سے ہٹاتے ہوئے،تعلقاتی نظریے کی اشتراکیت میں پیدا شدہ شگفتگی کووسعت دینے کا قائل تھا۔اس کے نزدیک۔۔۔اس طرح محبت مرتی نہیں۔ بلکہ اورشدت سے عیاں ہونے لگتی تھی۔جس کی وجہ سے وہ چشم اثبات کے تسلیم شدہ جذبات کا اعلان کرتے ہوئے، ہیئت جمال کا سبب بن جاتی ہے۔

میں سکون سے بہلول کی باتیں سنتا رہا۔جب وہ خاموش ہوا۔۔۔!

تب بھی میں خاموشی سے ریت پرآڑی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا۔کبھی چھوٹی چھوٹی کنکریوں کواکٹھا کر کے ان کے اردگرد ریت کی ہلکی سی تہہ چڑھا دیتا۔ پھرانہیں بکھیر دیتا۔ باہر کافی اندھیرا ہو گیا تھا۔اماوس کی راتیں نہیں تھیں۔ بادلوں کی وجہ سے ستارے اور چاند یا چاندنی کا کوئی ثبوت نظر نہیں آرہا تھا۔ بہلول کے عمامے کا ایک پیچ کھل کر داڑھی کے نیچے تک آگیا تھا۔دوسرا پیچ ماتھے پرآچکا تھا جوآگ کی ہلکی ہلکی روشنی میں نظر آرہا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔لیکن حرف و معانی کا سفر جاری تھا۔اسی دوران تھکاوٹ کی وجہ سے۔۔۔میں نہ جانے کب نیند کی گود میں سر رکھے،اپنے اردگرد کے ماحول سے غافل ہو چکا تھا۔

میں گلاب زادوں میں

صبح وشام رقصِ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے!
سفید پھولوں پر لہو چھڑکتے ہوئے!
پتھروں پر دل نچوڑ کر۔۔۔!
جنوں کی وادیوں میں!
دل، آنکھیں اور دھڑکنیں بو جاؤں گا
عشق کی بارگاہ میں مستجاب ہو جاؤں گا

پتہ نہیں وہ کیسی رات تھی، جس کی کراماتی ساعتوں میں۔۔۔ مجھے اس طرح کے خواب نظر آتے رہے۔ کہیں ایسے محسوس ہوتا جیسے میں بہت ہی نرم پرسکون گود میں سر رکھے۔۔۔ کچھ بول رہا ہوں۔ جب کہ میرے کانوں کو جو الفاظ سنائی دیتے ان کا مفہوم کسی لحاظ سے واضح نہیں ہو رہا تھا، لیکن ذہن میں حرف ومعانی کی تقسیم اور تفہیم ایسے ہوتے ہوئے سنائی دے رہی تھی، جیسے میں ہی بول رہا ہوں۔

آخری ملاقات

وہ آنسوؤں کی رحل پر۔۔۔!
مقدس اشارہ، روشن ستارہ، دھڑکنوں کا سپارہ رکھتے ہوئے!
آرزو کے چاک پر۔۔۔کئی اصرار تخلیق کرتے ہوئے!
نصاب سخن، جواب سوسن، گلاب ونسترن۔۔۔!
ہاتھوں کے لمس میں سموتے ہوئے!
ساتویں آسمان سے۔۔۔پہلے آسمان تک چلی آئی تھی
صدیوں کے صحیفے سے لذت معانی۔۔۔!
رفاقت زمانی، فطرت ارغوانی جیسی آیتیں پڑھتے ہوئے!
دردائیل، رومائیلؑ اور جبرائیلؑ کی منتیں کرتے ہوئے!
آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی۔۔۔!
نورازل، وعدہ اول کا واسطہ دیتے ہوئے!
اذیت میں روتے ہوئے۔۔۔درد میں تڑپتے ہوئے!
اسرار مستجاب، معصوم شباب، سارے خواب لیے روک رہی تھی
مجھے شفق زادوں کے روبرو۔۔۔!
تازیانوں کی تحریر میں۔۔۔!
قلندرانہ زمانوں کی تفسیر میں۔۔۔تکمیل جنوں کا حکم مل چکا تھا
اسباب جدائی کے ساتھ۔۔۔!
خانہ بدوشی کا صحیفہ اور وظیفہ مل چکا تھا

اسرارِ خمار

ہوا کے ہاتھوں میں چھالے پڑے ہوئے تھے
خوشبو کے ہالے میں طاق تھا
پروانوں کے طواف سے!
چاندنی میں سرخ سبز آیتوں کے انکشاف سے!
جمالِ فسوں کے دلفریب در کھل رہے تھے
دل کی شرطوں میں دف بج رہی تھی
زمانِ عصر کے زاویوں میں!
اک ناقہ خمار میں ڈوبی چل رہی تھی
شبنمی چاندنی میں اسرارِ خواب ڈھل رہے تھے
خوشبو کی بدلتی تاثیر میں!
صوفیوں نے بھی بابِ وفا کے قریب بزمِ سجا رکھی تھی
آبادِ حویلیوں سے!
لذتِ معنی کے علمدار۔۔۔سبز موسم کے رازداں آ رہے تھے
شفیق مسافتوں کے۔۔۔زلفہ اور صودابہ کی۔۔۔!
دھڑکنوں کے راز کھل رہے تھے
قدیم خیالوں کا پتہ دیتے ہوئے!
کئی آہو سبز ساحلوں کی طرف نکل رہے تھے
ستاروں کی چال اور زائچے بدل رہے تھے۔۔۔۔

خیرالعمل

سنہری کرنوں میں!
سبز فرش پر چمکتے شبنمی قطروں میں۔۔۔!
کشش قاف جیسی سرگوشیاں کرتی ہواؤں میں!
بہار کے قافلے کی ساربانی کرتے ہوئے!
اک مسافر زیتون وصنوبر کے گیت گائے جارہا تھا
حرفِ سحر میں آبِ بقا کی لذتوں کو۔۔۔!
خوشبو کی شدتوں میں۔۔۔شبنم کے زائچوں کو سمو کر!
اک مسافر پیپل اور کھجور کی سبز شاخیں لیے!
سبز موسم کے عابدوں، صندلی معبدوں کا طواف کیے جارہا تھا

قدیم سنبلہ کے پہلو میں!
ناہید، زہرہ۔۔۔درگا دل فریبی سے اتر رہی تھی
گا تھا، اوستا کی مٹی میں
صحرا کی ریت ملاتے ہوئے!
وینس آبِ حیات میں گوندھ رہی تھی
بہار کی خوب صورت راہوں پر خمار میں ڈوبی ناقہ!

محملوں کی روایتوں کا مفہوم بدلتے ہوئے چل رہی تھی
کوئی عصر یونان کی بستیوں میں!
جبرائیل کے لہجے میں ستاروں کی زباں بول رہا تھا
اک مسافر پاتال کی گرھیں کھولتے ہوئے!
خیرالعمل کی آیتیں سنائے جا رہا تھا
سبز موسم کے عابدوں، صندلی معبدوں کا طواف کیے جا رہا تھا

جہاں لبنیٰ کی گود میں!
میں سر رکھے تڑپ رہا تھا۔۔۔ایڑیاں رگڑ رہا تھا
وہیں ماریہ، زلفہ اور صودابہ کے چشم روغن سے۔۔۔!
اک زعفرانی خیمے کے روبرو چراغ روشن ہو رہا تھا
جہاں کشش قاف کی تعبیر۔۔۔!
ایلاف وفا کے مجدد۔۔۔!
صحرا میں بہار کی اسیری کا قصہ لکھتے ہوئے چھوڑ گئے تھے
وہیں اِک ایوان دل میں!
مسافر حسن کے تعاقب میں!
لذت لمس کو لوح کنعان سے منکشف کیے جا رہا تھا
سبز موسم کی خانقاہوں، صندلی معبدوں کا طواف کیے جا رہا تھا۔۔۔

ستاروں کے زائچے میں!
ارباب جنوں کی تاثیر گردش کر رہی تھی
تاریک کمرے میں رتجگوں کی داستاں!
درد کی بندگی میں متاع بسمل کے ساتھ۔۔۔!
پھول میں خوشبو۔۔۔آنکھ میں آنسو کا بھید کھول رہی تھی
کھڑکیوں اور دروازوں پر جھکی بیلیں۔۔۔!
زیتون وانجیر جیسی آیتیں تلاوت کر رہی تھیں
درے طلسم سے۔۔۔چھوتے آسمان تک۔۔۔!
سبز بہار کی سرگوشیوں میں!
دست حنائی، جذبات زلیخائی کا چرچا ہو رہا تھا
اک مسافر سلام عشق۔۔۔این از عشق سبز کہتے ہوئے!
ایلاف وفا کے رشتوں کو درد کہف کہے جا رہا تھا
سبز موسم کے عابدو، صندلی معبدوں کا طواف کیے جا رہا تھا
طواف کی گردشوں میں!
رقص بسمل کا راز منکشف کیے جا رہا تھا
سبز موسم کی خانقاہوں، صندلی معبدوں کا طواف کیے جا رہا تھا

تمنا

میرے گلے پہ۔۔۔!
جب تو عین، شین، قاف کا تیر چھوڑے
پھر برزخ کی حقیقت میں جمال کا پردہ چاک ہو کر!
عالم اسرار۔۔۔صاحب قرار کی کماں ٹوٹ جائے
میں ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے!
سینے پر ہاتھ رکھے۔۔۔صحرا میں تڑپتا رہوں
ریت لہو سے غسل کرے۔۔۔!
میں بس ایڑیاں رگڑتا رہوں
پھر ہوائیں میرا طواف کریں
فاختائیں اپنے گھونسلے چھوڑتے ہوئے!
ٹیلئہ بہار کی طرف ہجرت کرنے لگیں
جس ''مالکا'' سے تو نے مجھے جدا کیا تھا
وہ تین قدم پہ کھڑی۔۔۔!
وا عشقا۔۔۔وا عشقا کہتے ہوئے روتی کرلاتی رہے
تو تطہیر صحرا میں۔۔۔لہو سے سیراب ریت پر اترے
''عین'' سے عقیلؑ بہار کا خطبہ ظاہر ہو
''قاف'' سے قطع یدین کا اسلوب ظاہر ہو
''شین'' سے۔۔۔!
شہادتِ سورہ عشق کی حجت تمام ہو
یوں عشق بھی۔۔۔مقام محمود پر نظر آنے لگے

اسیر

آسماں پر چاند ستارے اور سورج بھی
چاندنی راتوں میں خوشبو کے مفسر کی!
ایلاف الست وہست کی!
شام وسحر کی زنجیر سے بندھے۔۔۔موسموں کے ساتھ فسانے سناتے رہتے ہیں
آسمان سے پرے۔۔۔!
جن گلیوں میں سوسن ونسترن کی حکایتیں گونجتی ہیں
وہیں کہیں درِ طلسم پر کئی عنوان تڑپتے رہتے ہیں
جدائی کی لمبی روایتوں میں!
سبز شاخوں پر نازل ہوتے سرخ گلابوں کی حکایتوں میں!
جن کی آنکھوں سے خون بہہ رہا ہو۔۔۔!

جس کے ماتھے پر عین، شین، قاف لکھا ہو!
انہی قافلوں کے جناب قیس۔۔۔!
صحرا سے ساحلوں تک علمدار بن کے آتے ہیں
مسافتوں کے مارے۔۔۔شبنمی زمانے یہی داستاں سناتے ہیں
محبتوں کے اسیر۔۔۔چاہتوں کے سفیر کو بہت رولاتے ہیں

دشت غزالہ کے رازوں میں۔۔۔!
چاندنی راتوں میں پتھروں پر لہو نچوڑا جاتا ہے
تکمیل جنوں کے طاق میں روغن چشم سے چراغ روشن کیا جاتا ہے
عشق پرانا ہوتا نہیں۔۔۔دل کا صحیفہ رد ہوتا نہیں
سبز موسم میں نفرتوں کا وظیفہ ہوتا نہیں
عشق زادوں کی یہ داستان۔۔۔!
دشت و بیاباں سناتے رہتے ہیں
آرزو کا یہ باب۔۔۔!
مقدس کتاب سے پڑھ کر دیوانے سناتے رہتے ہیں
محبتوں کے اسیر۔۔۔چاہتوں کے سفیر کو بہت رولاتے رہتے ہیں

جو خانہ بدوش ہوتا ہے

سنو بہلول۔۔۔!
جو خانہ بدوش، آوارہ، چرواہا بھی ہو۔۔۔!
وہ پرانے تبسم کو نئے موسم کی تلخیوں میں سموتا نہیں
زخموں سے بہتے گرم لہو میں۔۔۔!
خواب کی سیڑھیوں پر سبز پتے سرخ پھول سجاتے ہوئے
ایوان وفا میں دلفریب دھڑکنوں کو قتل کرتا نہیں
پرندوں کی سنتے ہوئے!
پرانی خانقاہوں کا طواف کرتے ہوئے

عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔ چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

میرے بہلول۔۔۔ میرے دل کے رازداں بہلول۔۔۔!
جن سے موسم گل کی آبیاری ہو۔۔۔!

وہ متاعِ خواب کو رقصِ بسمل میں ڈبوتا نہیں
ماہ کامل کا وظیفہ پڑھتے ہوئے!
تاثیرِ سحر کی بزم میں۔۔۔ذوقِ بہار کا صحیفہ پڑھتے ہوئے!
ساکنانِ شباب کو لسانِ جمال کے لہجے میں پکارتا ہے
اسیرانِ درد کے زخموں کو دھوتے ہوئے!
سبز بیلوں کی جڑوں میں دل نچوڑتے ہوئے!
معصوم جذبوں کو خزانی نیزوں میں پروتا نہیں
وعدوں کے شعور میں بجتی دف سنتے ہوئے!
اہلِ عشق کی راہوں میں پھول بچھاتے ہوئے!
روغنِ چشم سے چراغ روشن کرتا ہے
عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

میرے بہلول۔۔۔میرے پیارے بہلول۔۔۔!
ہم خانہ بدوشوں کا۔۔۔!
ہواؤں کے رشتے میں خوشبوؤں کو سمو کر۔۔۔!
چاندنی راتوں کی مسیحائی پر لہجہ بدلتا نہیں
جو سبزہ سرخ قاصدوں کو سینے سے لگا کر۔۔۔!

نیل کی وادیوں میں۔۔۔فرات کے صحراؤں میں بکھرے صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے
زخموں کو چھپاتے ہوئے۔۔۔پھولوں کو روندتا نہیں۔
وفا کی کہانی، دھڑکنوں کی نشانی سے!
فقیروں کے حجرے گراتا۔۔۔درویشوں کو رولاتا نہیں
عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

بہلول جی۔۔۔پیارے بہلول جی۔۔۔!
جولسان جبرائیل سے تسکین الہام کی آیتیں سنتے ہوئے!
حقیقت اسرار کی دھڑکنوں میں!
بلقیسؑ کی مسکراہٹ۔۔۔عارض سلیمان کا رنگ بھرتے ہوئے!
لبنیٰ کی گود میں سر رکھے ہوئے!
وصال یوسفؑ، نشاط زلیخاؑ کی حدیثیں سناتا ہے
حنائی شاخوں کے وسوسے دور کرتے ہوئے!
شب لیلیٰ میں سنت قیس پوری کرتے ہوئے!
صندلی خوشبو میں۔۔۔داسیوں کو آنسوؤں میں ڈبوتا نہیں
چنار و صنوبر کے تاریک جنگلوں میں۔۔۔!
وہ بس تتلیوں، جگنوؤں کو بلاتا ہے

عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

دھوپ کی جوانی میں۔۔۔پانیوں کی روانی سے۔۔۔!
لذت ماہتاب، چنبیلی کے شباب، رات کی رانی کے عذاب سے!
مزاج سورج مکھی، زعفرانی پھولوں کی داستاں بدلتی نہیں
تاریخیں بدلتی رہتی ہیں۔۔۔ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں
پھر بھی عشق کی فطرت دل اور دماغ کے بیچ صلح کراتی نہیں
بھولے بھالے ابابیل۔۔۔عندلیب۔۔۔!
نئے خوابوں میں، پرانے خواب جھنجھوڑ کر جگاتے ہیں۔
پرانے میخانوں کے روبرو۔۔۔قلندرانہ رقص کی!
خانہ بدوشوں۔۔۔چرواہوں کو داستان سناتے ہوئے
آبِ عشق کو زم زم کی طرح بانٹتے ہوئے!
پرانی خانقاہوں کا۔۔۔میکدوں کا دروازہ جلاتا نہیں
عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

بہار شرماتے ہوئے۔۔۔مرمریں بانہوں میں چوڑیاں۔۔۔!

پھولوں سے گلے ملتی خوشبو دکھاتے ہوئے!
قافلوں کو۔۔۔چاندنی کے ساربانوں کو۔۔۔!
سبز پہاڑوں سے اترتی دھند میں بلاتی ہے
غبار دشت میں ناقہ و آہو کو رولاتی نہیں
جس کو لذت معانی سے شناسائی ہو۔۔۔!
وہ خانہ بدوش، سیلانی، آوارہ۔۔۔!
ایلاف وفا میں۔۔۔ساحلوں پر قتل ہو جاتا ہے
جھیل کنارے تتلیوں، جگنوؤں کا قتل عام کرتا نہیں
ابابیلوں کے ساتھ آتے ہوئے!
آنسوؤں سے وضو کرتے ہوئے۔۔۔سبز کہف کی تلاوت کرتے ہوئے!
اپنے ساتھ مقتل میں کوئی اور قبیلہ بساتا نہیں
عزازیل کی طرح نوری فرغل اتارتا نہیں
محبتوں کا سینہ چیرتا نہیں۔۔۔چاہتوں کا جگر کھاتا نہیں

میں بہلول کی گود میں سر رکھے ہوئے، نہ جانے کہاں سے کہاں تک کا سفر کر رہا تھا؟ یہ مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔ بہلول کبھی میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگتا۔ کبھی میرے کپڑوں پر لگی مٹی ملی ریت جھاڑنے لگتا۔

وہ وارثان حصار و اضطراب کی باتوں میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے، موسم گل اور معارف شام کے چہروں کو سنوارتا ہوا، سانس کے عمل سے ہواؤں کی اہمیت کو ثابت کر رہا تھا۔ اسے سینے کی حرکت سے سب معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ایسے محور کی بات کر رہا تھا، جس کو سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن میں اک اور ہی نقطے کے گرد گھوم رہا تھا۔ جس میں سانس اور سفر قبولیت کی حالت میں جاری رہتے ہیں۔ بہلول شاید

میری ذہنی کیفیت سے واقف تھا۔اس لیے اس نے ذہنی خیال کی تقسیم کو دل کی طرف لے جاتے ہوئے، ذہن کی دنیا کو دل کی دنیا سے الگ کیا۔پھر مجھ سے کہنے لگا۔۔۔!

ہواؤں میں پھول رقص کر رہے تھے۔

موسم پر وجد طاری تھا۔

عبداللہ۔۔۔اب اگر تم ذہن کے دلائل کو دل کی بحث میں شامل کرتے ہوئے، ذہن کے طلسم کو دل کے خمار میں ڈبونے کی کوشش کرو گے، تو ایسا نہیں ہو گا۔ ذہن اور طرف لے جائے گا۔ دل اور طرف۔۔۔لیکن معصوم کبوتروں اور خوب صورت فاختاؤں کو یہ دونوں رد نہیں کریں گے۔جس سے تم سنگدلی سے بچ جاؤ گے۔

ہم جس غار میں رات گزارنے کے لیے ٹھہرے تھے، اس میں ابھی اندھیرا تھا۔ باہر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل بہت گہرے تھے۔لیکن بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر نہ جانے غار میں بھیڑ کا بچہ کہاں سے آ گیا۔۔۔؟

جس نے ہماری سوچوں کو۔۔۔درہم برہم کر دیا۔ہم ابھی بھیڑ کے بچے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ غار کی دہلیز پر اک لڑکی نمودار ہوئی۔۔۔!

اس کے ہاتھ میں اک چھوٹی سی چھڑی تھی۔ وہ بھیڑ کے بچے کا تعاقب کرتے ہوئے، غار تک چلی آئی تھی۔اس نے عجیب وضع قطع کا لباس پہنا ہوا تھا۔سر پر سمور کی ٹوپی تھی۔ بانہوں میں رنگ برنگی چوڑیاں تھیں۔ گلے میں مختلف منکوں کی مالائیں تھیں۔ جو اسے جوگن ثابت کرتے ہوئے، شریر سوچوں کی مالک بھی ثابت کر رہی تھیں۔ میں نے بہلول کی طرف دیکھا۔۔۔اور بولا۔۔۔!

مرشد لگتا ہے، یہ چاندنی میں پھولوں کے سینے سے نکل کر

خیالوں کو سانسوں کے نوالے دیتے ہوئے، وعدہ انگیز تنہائی میں دعائیہ کلمات کو عصر رواں کے سپرد کرتے ہوئے، سحر کی نقیب بن کر آئی ہے۔

یہ یقین کے لفظوں میں سما کر، دھند کو چیرتے ہوئے، خواہش اور آرزو کے بیچ دھڑکنوں کا رنگ بدل کر، زردی اور تازگی کے دائروں میں اصرار اور تاکید کے ساتھ خمار کی تفہیم لیے۔۔۔

غار تک، اک معصوم بھیڑ کے بچے کا تعاقب کرتے ہوئے چلی آئی ہے۔

میری ابھی بات جاری تھی، کہ یکا یک اس کوہستانی دوشیزہ کی آواز نے بہلول اور میری باتوں کے سحر کو توڑتے ہوئے کہا۔۔۔واہ ایک سیلانی ،آوارہ، خانہ بدوش۔۔۔!

جو کائناتی تبسم میں مقام فطرت پر اک قطرے کی حقیقت کو لوتھڑے میں بدلتے ہوئے، روشنی اور اندھیرے کی اہمیت نہیں جانتا۔لیکن دل میں آئینہ ناسوت اور بربط لاہوت کی گرھیں کھولنے کا دعویٰ کرتا ہے۔وہ ابوریحان البیرونی، الخوارزمی کو خیرہ شہر کے ساتھ بخارہ شہر تک بوعلی سینا سے بھی اپنی نسبت کو ثابت کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔اظہار کی پیچیدگیوں میں موجود کامل فاضلین سے بیانیہ روانی کی گلیوں تک۔۔۔اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے، کسی سے اختلاف نہیں کرتا۔کتنا سادہ دل اور جدائی کا مارا انسان ہے۔جو سوچ کو لفظوں کا لباس پہنا کر، اکثر جگہوں پر ہونے والے رقص بسمل سے مختلف دروازے کھولتا ہے۔پھر منطقی فیصلوں تک جاتے ہوئے، منافق نظریے کو بھی سامنے لے آتا ہے۔لیکن اس کی بات کوئی نہیں مانتا۔

میں اس کی باتوں میں چھپے نشتروں سے بچنے کے لیے چند ثمیہ مصرعے بولتا چلا گیا۔حالانکہ مجھے اس دوران پروفیسر احمد ہمیش کا نظریہ اور اخلاق حیدر آبادی کے نثری نظم کے بارے میں خیالات واحساسات یاد آ گئے لیکن پھر بھی میں نے کہا۔۔۔،

جسے میں عشق جاوداں سے۔۔۔!

بزم آسماں سے لایا تھا

وہ نشانی تاثیر کے طاق میں پڑی ہوئی تھی

ابابیل واپس چلے گئے تھے۔۔۔عندلیبانِ چمن چھپ گئے تھے

دعا پھر بھی مقتل میں تڑپ رہی تھی

واہ۔۔۔اپنی نثری نظم کو سینے سے لگائے، اس محبت کو ڈھونڈتے پھرتے ہو، جو آسماں پر رہ گئی۔میں نے پھر کوہستانی دوشیزہ کی باتوں کو کاٹتے ہوئے، سورۃ النساء کی آیتوں کا سہارا لیتے ہوئے بولا۔۔۔!

''یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، (ہوں گے) جب تک یہ آپس کے اختلافات میں آپ سے فیصلہ نہیں کروا لیتے۔''

بہلول نے میری باتوں کو سنتے ہوئے کہا۔واہ خوب۔۔۔!صرف ساڑھے تئیس سال کا زمانہ ثابت کرتے ہوئے، کام قیامت تک کا لیے جا رہے ہو۔بڑی خوب صورت کتاب ہے جس میں سفرنامے کے

ساتھ ساتھ افسانہ بھی ملتا ہے۔

بہلول ابھی چپ نہیں ہوا تھا کہ کوہستانی دوشیزہ بولی۔۔۔!

تم دونوں میں فکری سوچ، ذہنی فلسفہ اور نفسیاتی عنصر کے تکونی کے اعراف وایقاف پائے جاتے ہیں۔اسی وجہ سے ایک خانہ بدوش، ایک پاگل کے نقشے قدم پر چلتے ہوئے، مختلف علاقوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔اس میں فاعل اور مفعول کا ہونا ضروری ہے۔جس کی وجہ سے خیالات کی بحث میں خواہشات پر گفتگو ہوتی ہے اس میں مرد اور عورت کا ہونا ضروری ہے۔لیکن عرفانی اسلوب میں وجدانی اسباب کی تفہیم وتقسیم بھی ضروری ہے۔

جس میں مرد بھی ہو سکتے ہیں، جن کا آپس میں مرشد اور مرید کا رشتہ بھی ہوسکتا ہے۔اس مقام پر مرشد، مرید کے ساتھ چلتے ہوئے، خواہشات کا مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ خواہشات و خیالات صرف مرید کی ملکیت ہوتے ہیں۔مرشد تو وجدانی عرفان کی وراثت کا مالک ہوتا ہے۔ یہ وراثت کی گٹھڑی اتنی وزنی ہوتی ہے، جسے مرید نہیں اٹھا سکتا۔لیکن مرشد آسانی سے اٹھائے ہوئے، چلتا رہتا ہے۔مرید کے راستوں میں خواہشات اور خیالات کی رکاوٹیں آتی ہیں۔لیکن مرشد اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے، آسانی سے پیاسے صحرا اور دریا آسانی سے پار کرا دیتا ہے۔جس طرح ہمارے ترکستان کی پہلی روحانی شخصیت حضرت خواجہ احمد یساوی جن کا سلسلہ نسب حضرت حنفیہ بن علی بن ابی طالب سے ملتا ہے۔

انہوں نے جو فرمایا ہے، وہ بالکل نثری نظموں سے مشابہہ ہے، اور وہ اپنی طرف بڑی وارفتگی اور لگاوٹ سے کھینچتی ہیں۔حالانکہ نثری نظم کی تعریف کرنے کی جب بات آتی ہے تو اکثر جگہوں پر خاموشی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔میرے نزدیک نثری نظم اسے کہتے ہیں، جس میں لفظوں کی بنت کے ساتھ کائنات کی روانی شامل ہو۔اسے نثری نظم کہتے ہیں۔ضروری نہیں، کہ یہیں قیام کرلیا جائے۔ یہ پڑاؤ بھی ہوسکتا ہے اور آگے چلتے ہوئے، جو قدیم خیالوں اور حوالوں کے چہرے سنوارتے ہوئے، خواب کی وسعتوں میں عود و لوبان کی طرح سلگتی ہے، اسے نثری نظم کہتے ہیں۔اسی طرح۔۔۔!

جس میں حرف ومعانی کو بہار میں سمو کر، چاندنی اور خوشبو سے گلے ملنے کی باتیں ہوں۔اسے نثری نظم کہتے ہیں۔لیکن اس کی اگر مناسب کرافٹنگ کی جائے گی تو وہ ثم کہلائے گی۔

اسی وجہ سے میرے نزدیک ناثم اور ناثمہ کی حقیقت مضبوط انداز سے موجود ہے موجودہ دور میں نثری نظم کو ثم کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن ثم کے حوالے سے اس کے تخلیق کار کو شاعر نہیں کہہ سکتے۔

اسے صرف ناثم (مرد کے لیے) اور ناثمہ (عورت کے لیے) کہا جائے گا۔اس کی ایک لائن کو ثمیہ مصرعہ اور جس اساطیری حوالوں کے ساتھ دھڑکنوں کی بندش موجود ہو اسے ثمیہ کرافٹ میں حرف و معنی کی بندش کہا جائے گا۔جس میں آنے والے واقعات کی پیش گوئی ہوگی۔اسے ثمیہ پیشگوئی بھی کہا جائے گا۔

اس کا حسن سرخ ترکستانی شگفتگی میں کھو کر،گل بنفشا کی تازگی میں گم ہو جاتا ہے، حالانکہ جب تک ذہن اور دل ایک نقطے پر متفق نہ ہوں۔اس وقت تک وجدانی آنکھ نہیں کھلتی اور جب یہ آنکھ کھلتی ہے تو پھر نثری نظم وجود میں آتی ہے اور اسی آنکھ کے کھلنے سے انسان کو ترکستان، آذربائیجان، گرگان، زہدان، تفتان، سراوان، مکران۔۔۔ایسے لگتے ہیں۔یا ان کو ایسے دکھائی دیتے ہیں، جیسے انسان انہی علاقوں میں بیٹھا ہو۔

میں بھی خانہ بدوش ہوں، لیکن تم سے مختلف ہوں۔میں تاجکستان کو کوہ قاف میں سمیٹ کر، چاندنی راتوں میں ماژندران کے کھنڈروں میں بھٹکنے والی روح جیسی نہیں ہوں۔جس نثری نظم کو تم پیار کرتے ہو، وہ میرے سینے میں بھی موجود ہے:

زیتون کے شباب سے۔۔۔صندل کے خواب سے!
نجف کی تفسیر سرخ سبز پھولوں میں مکمل ہو رہی تھی
تطہیر کی پرکار۔۔۔!
تاثیر انکشاف کا دائرہ مکمل کر رہی تھی
آفاقی جالیوں سے۔۔۔اک نگاہ۔۔۔!
میرے تعاقب میں تھی۔۔۔اور مجھ پر!
قلندرانہ بہار کے ساتھ۔۔۔عارفانہ وجد طاری تھا

غور کرو۔۔۔یہ نثری نظم اور ثم دونوں کے قوانین ثابت اور پورے کر رہی ہے۔ہمارے سامنے کوہستانی دوشیزہ خوشبو کی تفسیر بنی سیاہ بادلوں سے گرتی سفید بوندوں میں کسی الوہی وادی میں کھلتے پھولوں کی پہچان بنی ہوئی تھی۔علمی حوالے سے باکمال معلم محسوس ہو رہی تھی۔میں حیران تھا۔لیکن بہلول پتھر سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کیے مسکرائے جا رہا تھا۔لیکن کوہستانی خوشبو مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے، یونانی دیومالائی کہانیوں میں کیوپڈ (محبت کا دیوتا) کو عظیم کہتے ہوئے، کرشن کی حیثیت کو عجمی دیوی دیوتاؤں میں معتبر ثابت کر رہی تھی۔اس نے مزید کہا۔۔۔کہ! گایا نے کرونس کو پیشگوئی کی تھی کہ اس کا بیٹا۔۔۔اس

کے لیے زوال کا سبب بنے گا۔ کرشن کے بارے میں بھی کنس کو ایسی ہی پیشگوئی سنائی گئی تھی۔ کہ ایک لڑکا اس کے جاہ وجلال کے زوال کا سبب بنے گا۔ اس کے علاوہ اکثر انبیاء کے بارے میں بھی ایسی پیشگوئیاں نظر آتی ہیں، جن میں مشہور ومعروف موسیٰؑ کے بارے میں فرعون کو بتائی گئی تھی۔

ایسی حالت میں مصری بھی پیچھے رہنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے دیوتاؤں سے شروعات کی ان میں آمون راطاقتور دیوتا تھا۔ انہوں نے آمون کے ساتھ زیوس کا اضافہ کرتے ہوئے، اپنے لیے زیوس آمون کا دیوتا بنالیا۔

پھر اس نے بہلول کی طرف دیکھتے ہوئے، بہلول کو مخاطب کیا۔۔۔ بہلول تم بھی آوارہ گرد، سیلانی اور خانہ بدوش ہو۔۔۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔ ۵۰ ۷ قبل مسیح میں ایک شاہ بلوط کے جنگل میں خانقاہ (کاہن گاہ) بنائی گئی تھی۔ اس میں مرد کاہن تھے، جو ننگے پاؤں شاہ بلوط کے پتوں پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے کاہن گاہ میں آتے تھے۔ لیکن ہیرودوت کے نزدیک اس میں زنانہ کاہنائیں تھیں۔ اس خانقاہ کی دیواروں پر نثری نظمیں تحریر ہیں۔ جن کے تراجم کو پڑھنے سے نثری نظم کا یقین روح میں اتر جاتا ہے۔ اس خانقاہ میں جو لوگ آتے تھے، وہ پتوں پر بھی کچھ نہ کچھ لکھ کر لاتے تھے اسی دور کے گردونواح میں نظر دوڑائی جائے، تو سیفو بھی نظر آجاتی ہے۔

سیفو معاشرتی طور پر باغی کہلائی جاتی تھی۔ بوس وکنار کے اعتبار میں وہ دشمنی اور حسد کو عجیب انداز سے پرکھتی تھی۔ اس کی نظمیں پڑھی جائیں، تو وہ زندہ کائنات کی فریفتگی کے ساتھ وارفتگی کی ظہوریت میں ڈوب کر، وادیٔ وحشت میں لذت زندگی کی معراج کا ہونٹوں پر ذائقہ تازہ کرتی ہیں۔ جس طرح قلندر صحرا میں رقص کرتے ہوئے، خوب صورت لفظوں کے خوب سیرت معانی عیاں کرتے ہوئے محوسفر رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح وہ اپنے لفظوں سے فطری خواہشات وصفات کو وادیٔ حیرت تک لے آتی تھی۔ تاریخی، تحقیقی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے فکری سوچ سپنوں کے ماحول کو زندہ کرتی ہے، جس کی وجہ سے خیال مختلف سمتوں میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ اسی وجہ سے دل ورطۂ احساس میں بھیگی ساعتوں کے پہلو سے لگ کر، عزت فکر کی راہوں میں ٹھوکریں کھاتے مسافروں سے بھی ملتا ہے۔ کوہستانی دوشیزہ جب یہاں تک پہنچی۔۔۔ تو یکا یک بہلول بول پڑا۔۔۔!

اس نے کہا۔۔۔!

حیاتیاتی شعور اور نرم گرم کرنوں کا سماجی جمال۔۔۔ اسی تخلیق کار کے ہاں موجود ہوتا ہے، جو بقائے دوام کے کیفیاتی تعلق سے اپنی دھڑکنوں کو ملا کر، ہیجان اور احترام میں فرق واضح کر سکے۔ یونانی سرزمین

عشقیہ ادب اور رزمیہ رومان میں ہمیشہ خود کفیل رہی ہے۔اسی وجہ سے یونانی تہذیب وثقافت نے تاریخ عالم پر گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں۔سیفو (ساپغو Sappho) حسن وعشق کی دیوی افرودیتی کی پجارن تھی۔ جو ساتویں صدی قبل مسیح میں شمالی یونان کے لیبوس جزیرے کے علاقے ایریسوس میں پیدا ہوئی تھی۔اس کی ہمجولیوں میں کنواری دوشیزائیں شامل تھیں۔

اس پر طوائف ہونے کا الزام بھی تھا۔لیکن میری برنارڈ نے مختلف ادبی تخلیقات کی روشنی میں رد کیا ہے۔میرا جی، سلیم الرحمٰن نے بھی تقریباً رد کیا ہے۔لیکن ڈاکٹر صفدر سیتا پوری نے کہا۔۔۔!''سیفو کا عشق گوشت پوست کے جسم اور اس کے ظاہری حسن سے ہے۔''

سیفو کے اظہار میں احساسات وجذبات کا تخلیقی بہاؤ خطرناک ہے۔یہ جس ملاح سے عشق کرتی تھی، وہ جلد ہی اسے چھوڑ کر کہیں گم ہو گیا۔سیفو نے اسے بہت تلاش کیا۔لیکن ایک دن اس نے پہاڑ سے دریا میں کود کر، خودکشی کر لی تھی۔ارسطو اسے ''حسن مجسم'' کہتے ہوئے، جا بجا۔۔۔ان نظموں کے حوالے دیتا ہوا نظر آتا ہے۔جس میں اس کی شاعری نے اہل یونان کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں رکھا۔اس کی شخصیت کا سحر۔۔۔اور باطن کا اضطراب۔۔۔! اس کی نظموں کو خوب صورت بناتا ہے۔ بہلول کی ان باتوں سے میرے دل اور دماغ میں حرف ومعانی کی جمالیاتی جنگ شروع ہوگئی۔جس کی وجہ سے درے شیراز پہ ملائے رومی کی تسبیح کرتے ہوئے، ہاتھوں میں کشکول لیے، شمس تبریزی جیسی خیرات مانگنے والے نظر آنے لگے:

لیکن میرے اندر کا اضطراب لبوں پر کھیلنے لگا۔۔۔
رازِ طریقت کی اجازت سے۔۔۔!
روشن صحیفے سے عیاں عکس مکرم کی نشانی ہوں
پورے جرثان سے۔۔۔محترم اسد کی کہانی ہوں
جس کی تنہائی پہ۔۔۔!
صحیفہ جمالیات کی آیتیں فدا تھیں
سبز پتوں میں چھپ چھپ کر۔۔۔!
جس کو خوب صورت تتلیاں دیکھتی تھیں
میں اسی خوب صورت شاہسوار۔۔۔!

چاندنی کے محدث کا یقین ہوں
جس کا نام۔۔۔میری دھڑکنوں کا مکین ہے

جب میرے لبوں پر یہ الفاظ نثری نظم کی تاثیر بن کر کھیل رہے تھے۔تب کوہستانی دوشیزہ اور بہلول نے میری طرف دیکھا۔۔۔!

بہلول تو وجد کی کیفیت میں مسکرائے جارہا تھا۔لیکن کوہستانی دوشیزہ نے کہا۔۔۔!

جس کی خاطر تم یہ نثری نظمیہ مصرعے گنگنا رہے ہو،اس کے بارے میں ام قیس نے بھی بہت کچھ کہا ہے۔ احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔طبری،ابن رشد،نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔بلاذری،ذہبی کے ہاں بھی بہت کچھ ان کے بارے میں موجود ہے۔جس مہاجری کو تم دل میں بسائے اسدی خون کا اظہار کررہے ہو۔۔۔اس کی تھوڑی سی جھلک تم میں بھی نظر آتی ہے۔میں اب سمجھی۔۔۔!تم مجھے کیوں مانوس لگے۔۔۔تم میں ایک انسیت کی کشش تھی، جس نے مجھے تم سے بات کرنے پر اکسایا۔شائد میں تمہاری خوشبو ہوں۔۔۔؟لیکن خوشبو قید نہیں رہتی۔

تم یہ بھی نہیں جانتے،مزاج کے چہرے پر پڑی وقت کی دھول،کس طرح صاف کرنی چاہیے؟جس سے سنت معانی کی طرح قبولیت کے تسلسل میں دل گرفتار ہو جائے۔پھر ذہن کی غلام گردشوں میں سورج طلوع ہوکر،کسی بیت النشرح کے خطوط قطع کرنے لگے۔

کوہستانی دوشیزہ اپنی دھن مین مگن بول رہی تھی۔لیکن میں اپنی سوچوں میں گم۔۔۔!

شیراز،گلستان،قم،زاہدان کی مختلف وادیوں سے ہوتے ہوئے!

سبز پتوں اور زعفرانی پھولوں کے ساتھ گل داؤدی کے چہرے نظروں سے چومتے ہوئے،ان کی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے،تبریز کی وادیوں میں سوکھے گلاب کی جڑوں میں اترتی سرخ شراب سے شاخوں پر سبز پتے نمودار ہوتے دیکھ رہا تھا۔میں اپنے ہمزاد سے جھگڑا کرتی سوچوں کے بیچ کنوارے بدن کو یوسفؑ کے تابوت سے مانوس نیل کے پانیوں کی لہروں میں بھیگتے ہوئے،شب جبران کی گرم مرطوب ہواؤں کے دائرے میں بہتے چشموں پر خیالوں کی چادر دھوکر،حلب کی گلیوں میں بھٹک رہا تھا۔دمشق کی خون رولاتی یادوں سے بھی ملاقات ہو رہی تھی۔جس کی وجہ سے یثرب اور نینواء کی کٹھن اور اذیت انگیز یادیں تازہ ہورہی تھیں۔لیکن پھر بھی محوسفر تھا۔

میں آل رکن کی مٹھی میں دبی نشانی کے ساتھ شب امتحان کے موضوع پر داستان کمال،بغداد سامرہ، قم اور رے کی وادیوں میں ''نو'' کے ہندسے کی حساس کیفیات کے سوکھے کوزوں کو دشت نینوا میں دیکھ کر،

حضرت جرجیسؑ کے زخموں کو بھی سوچ رہا تھا۔

کوہستانی خوشبو نے مجھے عجیب وغریب خیالات میں گرفتار دیکھا۔۔۔پھر مسکراتے ہوئے بولی۔۔۔!

جو مختلف کیفیات کی بھیڑوں کو لسانی شعور کے متکلم آہنگ کو علامتی تلفظ کے کردار میں سمو کر، تعلق اور شعوری احساس کے حرف ومعانی بیان نہیں کرتے، وہ ظاہری فصاحت وبلاغت کے وارثوں کی باطنی فکر کو بھی پہچان کی وادیوں میں بیان نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے وہ نگر نگر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ اسلوبی دھڑکنیں امتیازی پہچان میں تخلیقی کرداروں پر تنقید نہیں کرتیں۔تم یکسانیت کا شکار نہیں ہوتے۔تمہاری رگوں میں خانہ بدوشی دوڑتی ہے۔تمہارے ذہنی شعور میں مہاجرت کی دھوپ چھاؤں نے۔۔۔ایسی لذت کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے تم۔۔۔ابھی تک مجھے پہچان نہیں سکے۔تم نے مورمن کے زمانے میں جنم لیا۔میں تیرے ساتھ رہی۔ پھر مورمن کی کتابوں میں سما کر، زرتشت کے زمانے سے ہوتے ہوئے۔۔۔اردا ویراف تک چلی آئی۔ پھر مانی پیدا ہوا۔۔۔!

جس نے کنفیوشس کو تو معاف کر دیا لیکن زرتشت، گوتم بدھ اور عیسیٰؑ کو انبیاء شمار کرتے ہوئے، خود کو ان کے سلسلے کا آخری نبی کہا۔لیکن جس طرح خلیل جبران کی کتاب The Prophet کو نہ نثر اور نہ نظم کہہ کر تنقید کی گئی تھی۔ میں بالکل انہی نثری نظموں کی طرح مانی کی کتابوں میں دفن ہوگئی۔ میں نے جب سیفو کی طرح ہجر میں خودکشی کر لی۔۔۔چلو یہ تو بہت دور کی باتیں ہیں۔

یاد کرو وہ وقت۔۔۔!

جب تمہیں اک کاہن، راہب، ولی نے کھدر کی چادر میں لپیٹ کر دیا تھا۔میں اس وقت بھی تمہارے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔لیکن تمہارے باپ نے۔۔۔تمہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تم قیس بن ذریع بن کے دنیا میں آئے۔۔۔میں لبنیٰ بن کر تم سے کھیلتی رہی، لیکن بعد میں تم نے ہی مجھے چھوڑ دیا۔۔۔پھر میں دنیا کو بھی چھوڑ کر چلی گئی۔ میں لیلیٰ بن کر غارِ قیس کا طواف کرتی رہی۔لیکن تم کبھی میری وادیوں تک کبھی آئے ہی نہیں۔

آج تم جہاں ملے ہو یاد کرو۔۔۔! صدیوں پہلے تم نعیم کے روپ میں آئے تھے۔ میں بالکل اسی طرح کوہستانی لڑکی کے روپ میں بھیڑیں چراتی نرگس کے روپ میں ملی تھی۔تم اروڑ، الور اور برہمن آباد کی وادیوں میں کبھی حسن۔۔۔کبھی محمد بن کے ملتے رہے۔۔۔لیکن کبھی رَتنا۔۔۔کبھی رعنا کو پہچان ہی نہیں سکے۔

میں تمہیں ماریہ نصرانی، اپنائے بنتِ دانیال بن کے بھی ملی، گورگانی فضاؤں میں بانو کے روپ میں ملی۔تم بس خانہ بدوش، سیلانی، آوارہ بن کر ملتے رہے۔۔۔بچھڑتے رہے۔آج تم عبداللہ کے روپ میں آئے ہو۔۔۔میں تمہیں نثری نظم کے روپ میں ملی ہوں۔لیکن پھر بچھڑ جائیں گے۔

اب میں تم سے پوچھتی ہوں۔۔۔!

جس طرح میں نے تمہیں یاد رکھا۔۔۔جب فلک کی سرحدوں پر دوبارہ ملاقات ہوگی۔۔۔تو کیا تم بھی مجھے اسی طرح یاد رکھتے ہوئے ملوگے۔۔۔؟

میں نے اک سرد آہ بھرتے ہوئے، آنکھیں بند کیں اور غار کی دیوار سے ٹیک لگالی۔ بادل نہ جانے کب کے برس کر جا چکے تھے۔جس کی وجہ سے ہانپتا کانپتا سورج بھی اپنا سفر طے کرنے کے بعد کسی غار میں آرام کرنے جا چکا تھا۔یا پھر بقول امیر اُنیس۔۔۔نجف میں دیا روشن کرنے چلا گیا تھا۔ بہلول رہبانیت کی چادر اوڑھے، رہبانی عصا کے ساتھ نہ جانے کب غار سے نکل کر۔۔۔انجانی منزلوں کی طرف چلا گیا تھا۔ لیکن کوہستانی دوشیزہ میرے دل میں اُتری ہوتی تھی۔جس کی وجہ سے۔۔۔!

چاندنی زینہ بہ زینہ۔۔۔!

اک چراغ پر درود۔۔۔!

خشک لبوں پر سلام پڑھتے ہوئے اُتر رہی تھی

سوسن ونسترن بھی شبنم سے وضو کر رہی تھیں

جب ہوا کی دستک پہ۔۔۔!

پھولوں کا دروازہ کھولتی ہوئی خوشبو!

تطہیر بہار کی راز داں لگی

میں شعور اور لاشعور کے بیچ محبت کی سرخی اور تبسم کی دلفریبی سوچتے ہوئے، پکارنے والے کی سبز محبتوں کے سفیر و اسیر کی فکر اور اسلوب میں ڈوبا ہوا، گزرتے دنوں کی استخارہ کرتی کرنوں میں الجھا ہوا۔ تلازماتی تاثیر کے روبرو جذباتی فعلیت کی روانی میں کائناتی اور بشری فلسفے کی وادیوں میں۔۔۔پہاڑیوں پر بھیڑوں اور پہاڑی بکروں کی مانند لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔۔۔ساتھ ساتھ اشوک کے کتبوں سے یرمیاہ نبی کے نوحوں کے روبرو اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھی جا رہا تھا۔ جب کہ روحانی

داخلی اور خارجی علم کی روانی سے۔۔۔میرے ذہن میں یہ الفاظ بھی گونج رہے تھے۔۔۔!

''آنکھیں کھول سبز موسم کا راز داں آ گیا ہے۔'' میں اپنے خیالات میں گم نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کر رہا تھا، اور میرے سامنے میری روحانی تسکین کوہستانی دوشیزہ کے روپ میں بول رہی تھی۔

وہ اختلافی تہذیب میں مصریوں کے نقطۂ نظر کو تقسیم کرتے ہوئے، یونانی ہیئت کو عجمی اسباب کے ذریعے واضح کر رہی تھی۔ وہ پارسیوں کے کردار سے مسیحی ہواؤں میں بقراطی فلسفے کے زاویوں کے میخائل نعیمی، خلیل جبران، اوشو اور پنڈت اچاریہ سے خط قطع بھی کر رہی تھی۔ جس سے ادبی جغرافیہ محدود ہوتے ہوتے۔۔۔بالکل غیر محسوس انداز سے وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔۔۔! درندے انسانوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ سانپوں کے ڈسنے سے انسان مر جاتے ہیں۔ سفر پھر بھی جاری رہتا ہے۔

وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔اور مسلسل بولے جا رہی تھی۔ کچھ لمحے رکی۔۔۔اور پھر دوبارہ بولی!

میں اچھا چرواہا ہوں۔۔۔مزدور کو بھیڑوں کی فکر نہیں ہوتی (بائبل)

اس کے بعد وہ پھر۔۔۔کچھ اس انداز سے بولی۔۔۔کہ بائبل میں ہی ہے۔ ''باپ مجھ میں ہے۔ اور میں باپ میں ہوں۔'' حالانکہ اس کا سورہ اخلاص سے ٹکراؤ ہو کر، قیامت میں اور زندگی کا فلسفہ مختلف سمتوں کی طرف رخ اختیار کرتے ہوئے، عجیب و غریب حوالوں میں الجھ جاتا ہے۔ لیکن اسی بائبل میں ایک اور آیت ہے:

''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ وہ جو سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' (بائبل)

پہلی آیت سے میں اس لیے انکار کر رہی ہوں۔ کیونکہ دوسری آیت میں آنے والے کا ذکر موجود ہے۔ جو احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اب ان پر یقین وہ کرتے ہیں، جنھوں نے صلیب پر ریشمی کپڑا ڈالا ہوا ہے۔۔۔یا۔۔۔وہ جنھوں نے صلیب پر حضرت عیسیٰ ؑ کی شبیہ بنائی ہے۔ اس بارے میں مجھے نہیں پتہ۔ پھر بائبل میں ہی ہے۔۔۔کہ۔۔۔! ''تم مجھے جلد دوبارہ دیکھو گے۔''

بائبل اس کو تیسرے دن کے بعد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک حشر کے قریب کا زمانہ ہے۔

ان ساری باتوں کے اقرار و قرار کو پرکھا جائے تو قطرے سے، لوتھڑا اور پھر لوتھڑے سے انسانی شکل

کے ساتھ شاخوں پر سرخ پھول، سبز پتوں کے نازل ہونے کی ترتیب وتشکیل بھی نظر آتی ہے۔نظریہ قرار کی شاخوں پر سرخ پھولوں کے ساتھ سبز پتے نازل بھی ہوتے ہیں۔ یہاں نفسیاتی رجحانات کا عمل دخل معانیوں کی حد تک ضرور ہے۔جس میں سماجی شعور اور تہذیبی فکر میں حیوانات نباتات کے ساتھ نفسیاتی شعور بھی سامنے آتا ہے۔

جس طرح ہوا اور پانی کے ساتھ روشنی اہمیت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح عشق میں آوارگان کی محفلوں میں حنوط تتلیوں کے ساتھ ماہتابی روشنی میں روشن چراغوں کے روبرو غنودگی کی گرہیں کھلنا ضروری ہیں۔اس سے روحانی سمتوں کے سوالوں کا جواب عہد الست کی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتا ہے۔میں مختلف حوالوں میں دھڑکنے والے معانیوں میں الجھا۔۔۔!

نہ جانے کہاں سے کہاں بھٹک رہا تھا۔تخلیقی کائنات کا فلسفی اور جمالیاتی دیوتائی مقامات کے روشن نقطوں میں اساطیری سوچ اور فکر کی شکلیں دکھا رہا تھا۔۔۔اور میرے ہونٹوں پر بھی عجیب وغریب حرف معانی کھیل رہے تھے۔

کل شام عشق کی بارگاہ میں۔۔۔!

لوبان وصندل سلگا کر۔۔۔!

ولیوں نے میری نثری نظم پڑھی

سنا ہے، کہ۔۔۔!

کسی مجذوب کو دم کرنا تھا

مجھ پر کپکپی سی طاری تھی۔ مجھ سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔لیکن کوہستانی دوشیزہ۔۔۔! گلاب و زعفران کی خوشبو۔۔۔میری نثری نظم۔۔۔!

مسلسل ''اِن اللہ اعلیٰ کل شئ قدیر'' پڑھتے ہوئے، دلاسے دیے جا رہی تھی۔

تم محبتوں کے اسیر۔۔۔چاہتوں کے سفیر ہو۔۔۔کہے جا رہی تھی۔

مجھے جب ہوش آیا۔۔۔تو غار میں۔۔۔میں اکیلا تھا۔لیکن غار کی حالت بتا رہی تھی کہ جہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔پھر میں نے خود سے کہا۔۔۔!

بے شک عبداللہ سفر ختم نہیں ہوتا۔

جن خیالوں میں۔۔۔!

جن خیالوں میں اثبات درد کے ساتھ
سرخ دھڑکنوں کی تاثیر سمائی ہوئی ہے
وہ گمنام جزیروں سے۔۔۔
اک مہکتا ہوا خط لاتے ہوئے!
سوسن ونسترن میں زعفرانی گرھیں کھول کر!
چاہتوں کی میزان پر۔۔۔!
پہلی آہٹ۔۔۔پہلی فکر اور سوچ کو سوچتے ہوئے!
دشت میں اک تھکی ہاری ناقہ کے ساتھ،
تورات والانجیل جیسی غزالہ بھی لائی ہوئی ہے

جناب حسان، رواحہ اور جامی کے پاؤں چوم کر۔۔۔!
دریا کنارے مسافروں کو خیمہ زن کرتے ہوئے!
گل مریم کے کندھوں پر۔۔۔گل داؤدی کی گھڑی رکھتے ہوئے!
چاندنی کے ساتھ۔۔۔اک چراغ کا طواف کرنے آئی ہوئی ہے
تورات وانجیل جیسی غزالہ بھی لائی ہوئی ہے

پانیوں پر وجد طاری کرتے ہوئے!
محبتوں، چاہتوں کا صحیفہ تلاوت کرنے آئی ہوئی ہے
اک مہکتا ہوا خط بھی ساتھ لائی ہوئی ہے
تورات وانجیل جیسی غزالہ بھی لائی ہوئی ہے

جنوں

لوگ آستین میں خنجر چھپا کر ملتے رہتے
میں گردن کی۔۔۔سینے کی پرواہ نہ کرتا
صبح شام عشق پر درود۔۔۔سبز موسم پر سلام پڑھتا رہتا
شبنمی چاندنی۔۔۔!
گل بنفشا، گل مریم کی گرھیں کھولتی رہتی
میں عشق زادوں کا طواف کرتے ہوئے محوِ سفر رہتا
آخر اک روز قیس بن الملوح مل ہی گئے
جو مہکتے خط کے ساتھ۔۔۔!
مجھے عشق کی بارگاہ میں لے ہی گئے
عشق نے صالحین، عاشقین اور صادقین کے روبرو۔۔۔!
مجھے سلسلۂ جنوں کی دستار عطا کی
پھر قیس بن ذریع کو۔۔۔!
میری خانہ بدوشی اور آوارگی کی داستاں سناتے ہوئے!
مجھے صحرا کی طرف روانہ کیا۔

آوارگی

تمہیں فرصت ہو تو۔۔۔ذرا دیکھو۔۔۔!

لہریں تڑپتی رہتی ہیں

بادبانوں سے گلے ملتے ہوئے، ہوائیں چلتی رہتی ہیں

جواز صلیب کی ارغوانی خانقاہوں کا۔۔۔!

میں کیسے گمشدہ لفظوں کی امید بن کر طواف کرتا ہوں

کہیں تاثیر قیس بن کر۔۔۔!

کہیں عزیز حسن بن کر۔۔۔!

رات کے پچھلے پہر آہوانِ راز کی طرح

دلفریب خوشبو میں قلندرانہ رقص کرتا رہتا ہوں۔۔۔!

سعد ستاروں کی وصل زاد آواز کی طرح!

دشت و بیابان میں۔۔۔فرشتوں کی حویلی میں!

منتظر سبز بانہوں میں!

سرخ نصاب کا یقیں بن کر رہتا ہوں

پورب کی لالی سے۔۔۔پچھّم کی لالی تک۔۔۔!

فقیروں میں اپنی جاگیر تقسیم کرتے ہوئے!

بھید کے ہراساں نقشے میں!
میں اپنے لہو سے رنگ بھرتے ہوئے!
زخمی ناقۂ لذت کا پھٹا محمل رفو کرتا ہوں
گلابوں میں سوسن و نسترن سجاتے ہوئے!
زعفرانی کھیتوں میں!
گمنام جزیروں سے چمپا اور چنبیلی بلاتے ہوئے!
پھول چنتی دھڑکنوں میں چراغ بن کے جلتا رہتا ہوں
نرم استعاروں میں آوارگی کی تشریح کرتا رہتا ہوں

جدائی

جدائی کے نیزے پر دل تڑپتا ہے
پچھلے پہر کی ساعتوں میں!
خوشبو کے ساتھ۔۔۔ہوائیں بھیگی آنکھیں چومتی ہیں
روح البیان کی شرطوں میں۔۔۔!
خوابوں کے سوگ میں سوسن نسترن!
ثنویت کی آہٹوں میں غناسطیت کی سانسیں سمو رہی ہیں
زرتشت، گوتم، عیسیٰؑ صدیوں پہلے۔۔۔!
دائم ''فارقلیط'' کا صحیفہ پڑھ کر سنا گئے
پھر بھی آبنائے محبت میں تیرتے بجروں کے بادباں پر۔۔۔!
اک پرندہ۔۔۔!
معصوم موسموں کے صحیفوں کی آہٹیں بولتا رہتا ہے
ہجر کے صحرا میں دل تڑپتے ہوئے!
روغن چشم سے چراغ روشن کرتے ہوئے!
معتبر علامتوں کو جدائی کی میزان پر تولتا رہتا ہے

لسانِ فسوں

فلک کی جالیوں سے لگ کر رونے والی۔۔۔!
میری رگوں میں خون بن کر دوڑتی رہتی ہے
میں زمین پر۔۔۔اسی کے خال وخد بناتے ہوئے!
دستِ حنائی کے لمس۔۔۔!
دلفریب لہجے کے سحر میں ڈوبے ہوئے۔۔۔!
تلمیحاتِ خمسہ کی ساری روایتیں۔۔۔!
غیلان، عِلاف، کندی۔۔۔!
فرزند سینا اور فارابی کی آیتیں بھی جانتا ہوں
طلوعِ سحر کا رازی۔۔۔جب اک وعدہ شام ہونے لگتا ہے
پھر میں موسم زلیخا کا۔۔۔
اک خوب صورت بہانہ بننے لگتا ہوں
سرخ سبز پرندوں کا ورد زباں ہونے لگتا ہوں

جب بھی فسوں ساز شاموں کی بات ہوتی ہے
زیتون وصندل۔۔۔!
سفید کبوتروں جیسے صحیفے پڑھنے لگتی ہیں

شاخوں پر پھول پتے نازل ہونے لگتے ہیں
جنوں کی روشنی میں جناب عنترہ اور عبلہ سے بھی ملاقات ہوتی ہے
جب طاق لمحے۔۔۔مجھ سے گلے ملتے ہوئے گزرتے ہیں
پھر تخلیقات عشق کا سنہری زمانہ بننے لگتا ہوں
سرخ سبز پرندوں کا وردِ زباں ہونے لگتا ہوں

لسان فسوں جب دشت میں!
گلابی صحیفوں سے آیتیں تلاوت کرنے لگتی ہے
نشاطِ تعبیر کی وادیوں میں خوشبو۔۔۔!
شاداب جزیریں میں چاندنی رقص کرنے لگتی ہے
دل دھڑکنے لگتے ہیں
بزرگ جوگیوں سے۔۔۔!
چنبیلی کے سائے میں مناظرہ کرنے لگتے ہیں
لذت زخم کی تفسیر کرتے ہوئے!
جب سیفو، عبلہ اور ماریہ قندیل روشن کرتی ہیں
پھر قلندرانہ رقص کرتے ہوئے۔۔۔میں پروانہ بننے لگتا ہوں
سوسن ونسترن کی قسم!
میں لذت خمار کا تعارف غائبانہ بننے لگتا ہوں
سرخ سبز پرندوں کا وردِ زباں ہونے لگتا ہوں

زاویہ

چشمِ فسوں کے رومال میں لپیٹ کر
محترم زاویے۔۔۔مکرم دائرے میں رہتے ہوئے۔۔۔!
محبت میں ڈوبی ہوئی۔۔۔عطائے سبز گلفام کی خوب صورت نشانیاں
لایا ہوں
میں روزِ ازال کے لامکاں سے۔۔۔!
رتجگا۔۔۔آوارگی اور خانہ بدوشی بھی لے کے آیا ہوں

فلسفہ

گلِ مریم کے لہجے کی تصویر۔۔۔!
جھیل کی تنہائی میں اتر رہی تھی
ذہن حیرت میں ڈوبا ''لا'' اور ''اِلّا'' کا۔۔۔!
دل سے فلسفہ پوچھ رہا تھا
جب دستِ چراغ پر۔۔۔
شبنمی ہوا بیعت کر رہی تھی

وہ۔۔۔!

میں خانقاہ کا دروازہ کھولتا
وہ میرے پیچھے پیچھے مست چراغ کی الست روشنی میں!
باغ عدن میں لکھی۔۔۔!
نثری نظموں کی ظہر اور عصر کی کتاب سینے سے لگائے چلی آتی
ارضی زخموں کو
تاثیر مغرب اور آب عشاء سے دھوتی
اپنی گود میں۔۔۔میرا سر رکھتے ہوئے!
مرمری بانہوں میں لیے۔۔۔حوّا کی طرح لپٹ جاتی
لوبان وصندل سلگاتے ہوئے!
آفاقی چاندنی میں زخموں پر ماہتابی مرہم لگاتی
تہجد شناس نظروں سے دیکھتی۔۔۔!
کنواری کرنوں جیسے ہونٹوں سے چومتے ہوئے!
اسمائے عشق کا سینے پر دم کرتی
پھر محبت پہ درود۔۔۔چاہت پہ سلام پڑھتے ہوئے
فجر کے حوالے کرتے ہوئے۔۔۔نہ جانے کیوں چلی جاتی؟
بس لمس کی حدت۔۔۔!
بوسوں کی لذت چھوڑ جاتی ہے

تلازمہ

میں غربت کی آغوش میں پلا ہوں۔۔۔!
پھر کوہِ صفا کے جذبات سے کوہِ مروا کی جذباتی کشش تک
کرنوں کے خط قطع کرتے ہوئے۔۔۔!
حرفوں کی جدا جدا ترتیب و تشکیل روایت کرتا ہوں
بابِ لذت کے مکالمے میں۔۔۔!
صحرائی دانش وروں کی کیفیت سمو کر۔۔۔،
امراالقیس کی سرگوشیوں میں
پہچان کی کونپلوں۔۔۔عبلہ کی آہٹوں کو سمو کر۔۔۔!
چاندنی اور خوشبو کے گلے ملنے کی باتیں کرتا ہوں
میں زخم کے تلازمے کو کھنکتی مٹی کی شرطوں سے بچاتے ہوئے۔۔!
پتھروں میں عزاداری کرتے ہوئے۔۔۔آئینے کی طرف داری کرتے ہوئے
جنابِ عشق کا صحیفہ پڑھ کر۔۔۔!
دل فریب آرزو کی رگوں میں سرایت کرتا ہوں
جمالِ بہار کی داستاں۔۔۔!
سبز رنگوں میں روایت کرتا ہوں

سہ نثری

وہ بھی عجیب پاگل لڑکی تھی
جو کتابوں میں پھولوں کی طرح رکھتی تھی
میری نثری نظموں، نثموں کے تراشے

جس نے رقص کرتی ہواؤں کی گرہ کھولی تھی
چناب اور نیل کی داستاں سنائی تھی
آج وہ صحرا میں آنکھیں نچوڑتا پھرتا ہے

عقیدت سے دیے روشن کرتے ہوئے
پوجا کی تھالی میں دل سجا کر
مندروں میں داسیاں رقص کرتی رہتی ہیں

بہت رُلاتا ہے

گلابی رت میں!
فرشتوں کے ساتھ پرندے بھی چلے آتے ہیں
ستاروں سے ناہید، مندروں سے درگاہ۔۔۔!
خوشبو سے خمار، تبسم سے فسوں نکل آتے ہیں
عہد شباب اور مفاہیم حکمت کے بیچ!
وفائیلؑ، سرائیلؑ اور شمکائیلؑ۔۔۔!
شبنم سے وضو کرتے ہوئے۔۔۔طاق چاندنی راتوں کی قسم کھاتے ہیں
دردائیل کے روبرو۔۔۔!
سرخ سبز عشق کا نقیب۔۔۔!
تورات فسوں والا انجیل کا حافظ۔۔۔!
ارغوانی لہجے میں اصحاب جمال کی آیتیں پڑھتے ہوئے!
شہر عشق میں بجتی دف کے ساتھ!
مندروں میں رقص کرتی داسیاں دکھاتے ہوئے!
قم، رے اور سامرہ کی داستاں سناتا ہے۔۔۔بہت رُلاتا ہے

جن حویلیوں میں۔۔۔!
چاندنی درودسلام پڑھتے ہوئے۔۔۔دالانوں تک چلی آتی ہے
بہار میں سوسن ونسترن۔۔۔گلاب کیساتھ کھیلتے ہوئے!
وارثِ اسرار کا صحیفہ پڑھتے ہوئے!
سطوط اقرار و جمالیات کا قصہ سناتی ہیں
انہی حویلیوں میں!
دلفریب دھڑکنوں کے مرسلیں کا چراغ روشن کرتے ہوئے!
سرخ سبز عشق کا نقیب۔۔۔!
تورات فسوں والا انجیل کا حافظ۔۔۔!
عذرا، ماریہ، فاریہ کا صحیفہ ہجر سناتا ہے۔۔۔بہت رلاتا ہے

انگلی کی پرکار سے۔۔۔!
فلک کی جالیوں سے لگ کر رونے والی تک!
تورات فسوں والا انجیل کا حافظ۔۔۔!
سرخ سبز عشق کا نقیب۔۔۔!
محبتوں، چاہتوں کا دائرہ کھینچتا ہے

پھر بزمِ جمال کی دلفریب دھڑکنوں کے ساتھ تفسیر کرتے ہوئے!
شاہ بلوط کے سائے میں۔۔۔چنار و صنوبر کی سبز شاخیں لاتے ہوئے!
گزری بہار کی پوٹلی کھول کر!
سوکھی زعفرانی پتیاں دکھاتا ہے۔۔۔بہت رُلاتا ہے

وہ جب بھی تنہائی کی وادیوں میں!
یادوں کو جھنجھوڑتے ہوئے۔۔۔جنوں کو بوتے ہوئے!
حسن گلاب کے سینے میں!
شبنمی چاندنی کے خوابوں کا طلسم بن کے سماتا ہے
پھر تو راتِ فسوں والا انجیل کا حافظ بن کر!
ایلاف وفا کی قسمیں کھاتے ہوئے!
آوران کے محلے سے نکل کر!
حلب کی گلیوں۔۔۔دمشق کے بازاروں میں چلا آتا ہے
وہ آہو وآنِ دشت میں چراغ روشن کرتے ہوئے!
لبنیٰ کی رحل پر۔۔۔اُمہاتِ عشق کا صحیفہ پڑھتے ہوئے!
دست حنائی کا لمس یاد کراتا ہے۔۔۔بہت رُلاتا ہے
گل مریم کا زخمی سر دکھاتا ہے۔۔۔بہت رُلاتا ہے

آرزو

اے نقطہ راز کے واقف۔۔۔!

اے نقطہ راز کے واقف۔۔۔!

پہچان کے درویش۔۔۔ومن الاصحاب عشق کا دعوی کرنے والے!

اے آشناء مستی کے روبرو۔۔۔!

افاعیل میں زحافات کی تقطیع کے اصلاحی علائم کو!

نظم میں مشخص کرنے والے۔۔۔!

ستیہ پال آنند، امجد اسلام امجد اور علی محمد فرشی مجھ سے بولتے نہیں

خالد سجاد، اظہر عباس اور نعیم گیلانی تھکے ہوئے ہیں

ماجد مشتاق، افتخار شفیع اور شبیر بٹ سوئے ہوئے ہیں

ہوا شبنمی خوشبو کے ہم رکاب چل رہی ہے

چاندنی خشک کوزوں میں اترتے ہوئے!

محبت پہ درود اور چاہت پر سلام پڑھ رہی ہے

اب تم ہی آجاؤ نا۔۔۔!

ہم ترجیحی تدوین۔۔۔اختصار ترکیب پہ نہ سہی۔۔۔!

چلو نثری نظم پہ ہی مناظرہ کرتے ہیں

ایلافِ وفا کا تجزیاتی مطالعہ

اخلاق حیدرآبادی

(شعبہ اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد)

شاعری انسانی تخیل کا پُر جمال اور بلیغ اظہار ہے۔ شاعری میں نظم نے انسانی فکر اور ادراک کو مربوط اور پر اعتماد ہو کر آگے بڑھایا ہے۔ آرائش خیال کے لیے کبھی پابند نظم اور کبھی نظمِ معرا کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ پھر آزاد نظم نے نسبتاً انسانی فکری جہتوں کو زیادہ بے باک انداز اور آزادی کے ساتھ پیش کیا۔ اردو شاعری کے منظر نامے میں نظم گو شعرا ابلاغ کی سطح پر پیش رفت کرتے نظر آتے ہیں۔ وقت کے ساتھ نظم کی روایت نے تخلیق کار کو ایک نئے آہنگ سے متعارف کرایا۔

شاعری کی بابت بہت کچھ کہا گیا ہے اور کہا جا سکتا ہے مگر مختصر اور جامع طور پر ہم کولرج اور شیلے کے ہم زبان ہو کر کہہ سکتے ہیں ''شاعری تخیل کی زبان ہے''۔ کانٹ نے بہت دل نشین انداز میں اپنی کتاب ''انتقادِ محاکمہ (Aesthetic judgment of critique)'' میں اپنے کلیدی جملہ میں اپنے نظریہ تخیل کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے

> ''تخیل اس مواد سے جو فطرت اس کے لیے مہیا کرتی ہے، ایک فطرتِ ثانی تخلیق کرنے والا ایک زبردست عامل ہے''(۱)

شاعر یا تخلیق کار کے پاس اظہار کے لیے جو چیز اساس بنتی ہے۔ وہ اس کا احساسِ تخیل ہے۔ ابلاغ کے لیے علامت، استعارہ، مشاہدہ اور تجربہ تو ہوتا ہے۔ بلکہ الفاظ کے انتخاب کا کڑا فیصلہ بھی شاعر کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح نظم کا نام بلاشبہ علامت ہے۔ کسی چیز کی ماہیت نہیں۔ شعریات کو صنف میں علامتی سطح پر وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ حالؔی کا یہ قول ''نفسِ شعر وزن کا محتاج نہیں'' اب تک ایک بامعنی اور راہنما ہے۔ عبدالسمیع اپنی کتاب ''اردو میں نثری نظم'' میں لکھتے ہیں:۔

''نثری نظم موجودہ اصنافِ سخن کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم تاریخی تناظر میں اصنافِ نظم کا جائزہ لیں تو ہم پہ کھلے گا کہ ہم سالہا سال بتدریج نثری نظم تک پہنچے ہیں۔ اور درمیانی مراحل میں پابند نظم، نظمِ معرا اور آزاد نظم ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اب نثری نظم آئی ہے۔ اس تدریج کو حریت فکر کے تدریجی فروغ کا نام بھی دے سکتے ہیں''۔(۲)

کائنات کی فطرت میں تغیر ہے۔ اسی طرح انسان بھی جامد شے نہیں ہے۔ حالات اور گردشِ لیل و نہار کے ساتھ ساتھ انسان بھی بدلتا ہے۔ انسان کے تخیل اور اجتماعی شعور میں مختلف مدارج کا سفر جاری رہتا ہے۔ تیز رفتار دنیا میں افراتفری اور انتشار ہے۔ کشمکش انسانی ذہن کا مظہر ہے۔ انسان کے لہجے، اظہار اور ابلاغ نے بھی تغیر کو قبول کیا ہے۔ یا پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شعرا کا نثری نظم کی طرف رجحان ان کی خود احتسابی کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک ہی طرح کے تجربات اور استعاروں کی تکرار سے نئی شاعری کا پھیلاؤ کس قدر رک سا جاتا ہے۔ خیر چشمۂ تخلیق کے لیے بہاؤ اور نئے پانی کی ضرورت رہتی ہے۔ تاہم نئے لہجے اور شاعری کے اسلوب میں بڑی شاعری کے امکانات روشن ہیں۔ انیس ناگی اپنے ایک مضمون ''نثری نظم یا شاعری'' میں لکھتے ہیں:۔

''اب جب کہ اردو شاعری کے پنڈال میں نثری نظم کا اسلوب اپنا جواز پیدا کر رہا ہے۔ تو اس کی تحریک سہل نگاری یا کج روی کا پیدا کار نہیں۔ یہ مروجہ شاعری میں پیدا شدہ بعض بدعتوں اور کلیشیز سے نجات حاصل کر کے شاعری کی تاریخ کو ایک نئی اسلوبیات سے روشناس کرانے کا عمل ہے جو لفظ کے مابعد کی دریافت کے ذریعے شاعری میں لفظ نئی انتالوجی'' پیدا کرتا ہے اور اس کی غایت اور صوت و معانی کے الحاق کے ذریعے ایک نیا عالمِ صوت و معانی تعمیر کرتا ہے جو اس عہد کے شور و غوغا کو اپنے اندر سمو کر تجربے اور شعری اظہار کے فاصلوں کو کم کر سکے۔ ان لہجوں، علوم اور مادی معروضات کو

، جو ہماری آج کی دنیا میں در آئے ہیں، انھیں اپنے اندر سمو سکے''۔(۳)

گوپی چند نارنگ نثری نظم کے حوالے سے اپنی کتاب ''ادبی متغیر اور اسلوبیات'' میں لکھتے ہیں:۔

''کوئی ایسا فن پارہ جس میں بحور اور اوزان کی روایتی اسمیات سے قطع نظر کر
کے زبان کا زندہ رہنے والا استعارہ کہا گیا ہو اور خاموشی کے وقتوں میں مناسب
قالب سازی کی گئی ہو۔ نیز اس میں وہ معنیاتی وحدت بھی ہو جسے عرفِ عام
میں نظم سے منسوب کیا جاتا ہے، تو اس فن پارہ کو نثری نظم کہتے ہیں''۔(۴)

گوپی چند کی رائے نثری نظم کی تخلیقات کے قریب ترین معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے نثری نظم کی تعینات کو جامع طور پر بیان کیا ہے۔ چوں کہ نثری نظم اپنے اظہار و بیان میں ایک طے شدہ ضابطے کی پابند نہیں ہے۔ اس میں مروجہ عروض اور تراکیب نہیں بلکہ تخلیقی فطری آزادی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ نثری نظم کی ترکیب قائم ہوئے عرصہ ہو گیا ہے اور یہ ترکیب آج بھی قائم ہے۔ نثری نظم کے متبادل اسما ادبی تاریخ کی کتابوں اور رسالوں میں گم ہو گئے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نثری نظم کی ترکیب میں وہ تمام خوبیاں ہیں جس سے ایک اصطلاح تادیر قائم رہتی ہے۔

فیصل آباد کے منفرد لہجے کے شاعر منصف ہاشمی نثری نظم کے سرخیل ہیں۔ وہ ادبی حلقوں میں نثری نظم کی داغ بیل ڈالنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب کراچی اور لاہور کے نثری نظم کے تخلیق کار ایک تحریک کی صورت میں اسے فروغ دے رہے تھے۔ ایسے میں فیصل آباد کے شعرا نے بھی نثری نظم کی طرف رجوع کیا۔ اگرچہ اس دور میں فیصل آباد کے ادبی حلقوں میں نثری نظم کے بارے میں مباحث کا بازار گرم تھا۔ لیکن ایسی ہی فضا میں منصف ہاشمی نے نثری نظم کو یوں تھاما کہ پھر کہیں دوسرا در نہ دیکھا۔ یوں وہ اور نثری نظم ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ٹھہرے۔ ان کا نثری شاعری کا ایک مجموعہ ''مٹھی میں ستارے لیے'' منظرِ عام پر آ چکا ہے۔

''ایلافِ وفا'' کو جب میں نے دیکھا تو مجھے امرتا پریتم کی کلاسیک پستک ''چراغوں کی رات'' یاد آ گئی۔ اس میں مختلف مذہبوں کے علاوہ مختلف ملکوں کے ادب پر بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ اس کتاب کی سب ملی جلی کیفیتیں بھی مجھے ''ایلافِ وفا'' میں نظر آئیں۔ اس مجموعے کا آغاز ''اے رب العالمین'' سے ہوتا ہے۔ یہ نظم دراصل مناجات ہیں، مالک کے حضور۔ نظم کا لہجہ کسی الوہی نظموں کی بازگشت ہے جہاں سرمدی گیت

پھوٹے ہیں۔روح اپنے وجدانی سفر پہ محوِ پرواز ہو جاتی ہے۔نظم کا لہجہ ملاحظہ ہو:

اے مرے مالک۔۔۔اے میرے خالق۔۔۔!

آسمانی نسترن عصر ضیا کی سناں پر!

مردود وفا کی باتوں میں!

دلِ بسمل کی نسیمِ سحر کے ساتھ کہانی سناتی ہے۔۔۔مجھے بہت تڑپاتی ہے

منصف ہاشمی کے ہاں اپنا منفرد اسلوب رائج ہے۔ایک پراسرار فضا کا ہالہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔اساطیر،علامت اور استعارہ ان کی نظموں کو بلاغت عطا کرتے ہیں۔ان کی نثری نظموں کی ہئیت اور تکنیک خوبصورت ہے۔تخیل میں وصل کی لپک اور محبت کی کسک کی کیفیت ہے۔شاعر محبت کی نایافت میں بے کل ہے۔یہی انسانی زندگی کا سب سے بڑا خلا ہے کہ انسان محبت سے تہی دست نہ رہ جائے۔

یہ آج بھی مکمل چاہتوں کے معصوم خط!

قرآن میں موجود تیرے سفر ناموں کے رتھ

عصرِ جمیل کے شگفتہ گلابوں کو دکھاتا ہے

لہجے میں مناجات اور عاجزی بھری ہوئی ہے۔نظم بھرپور اساطیر اور علامتوں کے باوجود رواں اور شستہ ہے۔اسی طرح انداز ان کے ہاں ایک دل سوز کیفیت میں در آیا ہے:۔

جذبات کی خوشبو۔۔۔چشمِ عیدِ وفا میں!

روایتوں کے تلازمے میں۔۔۔آپؐ کے نام سے زندگی ہے

یہاں تخلیق کار کے لیے فطرت کے اثاثے امکانی نشانیوں کی صورت میں میسر ہیں۔لہجے میں تراوت ہے۔نظم ''ارداس'' کے الفاظ قاری کو معطر کرنے کے لیے اپنے نافے کھول دیتے ہیں۔منصف ہاشمی کے ہاں تخیل کی جمالیات حرف حرف یک جا ہوتی ہے۔تخلیقیت پر جوبن آجاتا ہے اور ایک وجدانی کیفیت لہو کی طرح تخلیق میں دوڑنے لگتی ہے۔

تہذیبِ عشق کی بارگاہ میں

سرخ موجوں کی روانی میں۔۔۔پیاس کی کہانی میں

منصف ہاشمی لفظوں کا استعمال محتاط ہی نہیں بلکہ پوری ہنرمندی سے کرتے ہیں۔اسی لیے تو مربوط مصرع سازی میں کہیں خلا اور تشنگی کا احساس نہیں رہتا۔ جملے اپنی نفسیات کے مطابق ڈھل کر آتے ہیں۔ نثری نظم کا چہرہ اور نکھر جاتا ہے۔انھوں نے اپنے اسلوب کو ایک آفاقی لہجہ یوں بھی عطا کیا ہے کہ وہ توریت، زبور، انجیلِ مقدس،قرآنِ مجید، گیتا ،رامائن اور اوستا کی تلمیحات کا جا بجا رنگ بھر دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو نثری نظم کا آہنگ آور لہجہ بھی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی طرح بلیغ اور ارفع ہے۔ان صحیفوں کے کلام میں نثر و نظم کے عناصر یوں مدغم ہو گئے ہیں کہ ایک بلند پایہ اور فصیح لہجہ وجود میں آتا ہے یعنی ایک موزوں اور خوب تر آہنگ کا روپ بن جاتا ہے۔اس نثری نظم کا اسلوب یوں تراشتے ہیں:

پھر ظہر ہوئی۔۔۔۔عصر بھی گزر گئی

اب تو دشتِ نینوا پر۔۔۔۔!

جلتے خیموں کا دھواں ہی دھواں

انسان تہ در تہ ہے۔کہیں کہیں اس کا اعتقاد اور یقین کشف و کرامت کے ہاتھ بیعت کرتا ہے۔منصف ہاشمی کے ہاں تو تصوفانہ روایت کے روشن باب کھلے ہیں۔ لہجے میں کرامات اور یقین کے پرتو ہیں۔ پاسبان عقل ہماری لاٹھی تو ہے مگر اس کی رسائی زیادہ دور تک نہیں۔ ہم امکانات و ممکنات کے سفر میں زیادہ دور تک صرف وجدان کا ہاتھ تھام کر چل سکتے ہیں۔ایسے ہی لہجے اور فکر کی حامل نظم ''اسرارِ خمار'' میں یوں لکھتے ہیں:

زمانے عصر کے زاویوں میں

ایک ناقہ خمار میں ڈوبی چل رہی تھی

شبنمی چاندنی میں اسرار خوب ڈھل رہے تھے

ذات جب کسی عرفان سے فیض یاب ہوتی ہے تو خوشبو کا پیراہن پہنتے ہوئے ماورائیت کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر عرفانِ ذات کا عکس نظر آتا ہے۔نظم کی فضا میں الوہی نغمے بکھر جاتے ہیں۔ایک عظیم تر تقدس کا خیال بکھر جاتا ہے۔شاعر اپنے لمحے کی گرفت میں رطب اللسان ہو جاتا ہے اور قرطاس پر نثری نظم کا ہیولا ابھر آتا ہے۔نظم کا خاکہ اور بنت نپے تلے انداز سے سامنے آتے ہیں،جس سے لہجے کی تاثیر میں اور

بھی گہرائی آجاتی ہے۔نظم ''تمنا'' کی یہ تین سطریں دیکھیں:

جس کے ماتھے پر عین شین قاف لکھا ہوا
انھی قافلوں کے جنابِ قیس۔۔۔۔
صحرا سے ساحلوں تک علمدار بن کے آتے ہیں

حیرت ہے فراق ہجر اور وقت کا جبر سہتے ہوئے بے رحم اور بے مروت حالات کے مقابل شاعر کا لہجہ تلخ نہیں اور کڑواہٹ کا ذائقہ جیسے کافور میں بدل جاتا ہے۔ لہجے کی روانی اور زبان پر معتبر مناجات کی صدا نظم کو کہیں بھی اس کی بلندی سے نیچے نہیں آنے دیتی۔ یہی نثری نظم کا خاصہ ہے جو منصف ہاشمی سے منسلک ہو کے رہ گیا ہے۔نظم ''جو خانہ بدوش ہوتا ہے'' کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں:

مثالِ یوسف نشاطِ زلیخا کی حدیثیں سناتا ہے
حنائی شاخوں کے وسوسے دور کرتے ہوئے

منصف ہاشمی کو ماورا سے فرصت نہیں ملتی۔محبت وجدان اور عرفان سے آشنا انسان زمینی مسائل کو جھیلتا ہے تو انھیں محسوس بھی کرتا ہے مگر روح کا کرب تو کچھ اور ہے اور وہ روح کے اشارے پر ایک قدیم ترین راستے پر چلتے ہوئے سحر آفرین وجد کے ساتھ ہو لیتا ہے، جہاں زمینی دکھ اور کرب کہیں غیر اہم ہو کے رہ جاتے ہیں۔محبت و عرفان کے طلسم کدے میں زیست کے جھنجٹ محض لفظوں تک محدود رہ جاتے ہیں۔معراج محبت نہیں، فراق کا ذائقہ روح کو قرار دینا شروع کر دیتا ہے۔اس میٹھی آنچ میں مٹی سلگتی رہتی ہے اور چاک پر مجسم تخلیق ہونا شروع ہو جاتا ہے۔لہو تسکین آور رگوں میں اترنے لگتا ہے تب نثری نظم جنم لیتی ہے۔نظم ''وہ'' کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں:

شہرِ عشق میں بجتی دف کے ساتھ
مندروں میں رقص کرتی داسیاں دکھاتے ہوئے
قم، رے اور سامرا کی داستان سناتا ہے۔۔۔بہت رلاتا ہے

منصف ہاشمی کے ہاں نظم صحیفے کی طرح نازل ہوتی ہے جیسے الفاظ قرینے سے استعمال کرتے ہیں کہ لفظ اپنی لے میں مغنی بن جاتے ہیں اور الوہی گیت سماعتوں میں رس گھولنے لگتے ہیں۔شاعر قدیم دریچوں

سے گزرتے ماضی کے دھندلکوں کی گرد صاف کرتے ہوئے اپنی چشمِ تصور سے ان منظر ناموں کی حکایت بیان کرتا ہے جو ازل سے انسان کا مقدر ہے۔انسان کی رگوں میں جنون، ضمیر کا لہو گردش کرتا ہے۔محبت تو انسان کے خون کی تاثیر کے نام ہیں۔یہ بھی ضمیر میں گوندھی گئی ہے مگر محبت کے باب میں نایافت کی کڑی منزل ہے۔آہیں، سسکیاں اور تمام حسرتیں شاعر کے لہجے اور لفظوں میں تخلیق کا روپ ڈھال لیتی ہیں، نہیں تو یہ صرف شاعر کا اثاثہ نہیں۔یہ تو ایک انسان کا ورثہ ہے۔یہ کہانی ازل تا ابد جاری رہے گی۔

نظموں کی کرافٹ مضبوط تکنیکی سطح پر مصرعوں کی نشست خوب جمائی گئی ہے۔کہیں تیز اور مدھم سُر زیر و بم کنکھار دیتے ہیں۔نثری نظم کی اس فضا میں اساطیری حوالے تراکیب اور علامتیں ایک نئے منطقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔بنیادی طور پر یہ تخلیق کار ہوتا ہے جو تخلیق کو دائروں اور مخصوص علاقوں سے نکال کر وسیع تر کائنات کی پرواز سکھاتا ہے۔''ایلافِ وفا'' میں ان کا اسلوب یوں ہے:

جواز صلیب کی ارغوانی خانقاہوں کا۔۔۔!
میں کیسے گم شدہ لفظوں کی عمیف بن کر طواف کرتا ہوں

لذت آشنائی بھی عجب ہے۔کوئی دم ساز اور ہمراز مل جائے تو روح جھوم اٹھتی ہے۔واقفِ روح سے سرگوشیاں کی جاسکتی ہیں۔نیاز مہک اٹھتا ہے۔راز کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔راز آشنائی کی سرزمین بھی کیا ہے۔روح وجد میں آجاتی ہے۔تصورات ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔کبھی کبھی زندگی میں وہ پل مل جاتا ہے جس کی کبھی خواہش کی ہوتی ہے۔جس سے کی ہوئی محبت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور جب حادثات شب و روز میں اچانک روبرو آٹھہرتا ہے تو کائنات بھی جھوم اٹھتی ہے۔ایک تسکین آمیز سکوت طاری ہو جاتا ہے۔

تاثیر انکشاف کا دائرہ مکمل کر رہی تھی
آفاقی جالیوں سے اک نگاہ۔۔۔۔میرے تعاقب میں تھی اور مجھ پر
قلندرانہ بہار کے ساتھ۔۔۔عارفانہ وجد طاری تھا

اس مجموعے میں شامل ایک اور نظم جس میں حرف و تصور کا حسن مدغم ہو گیا ہے اور نثری نظم کا صحیفہ اترتا ہے، الفاظ کا تناسب اور قدر محتاط اور متوازن ہے کہ داخلی آہنگ کا سحر پوری طرح رواں ہو جاتا ہے۔بند

شاعری رشک کرتی نظر آتی ہے۔مختصر لکھی ہوئی نظموں میں اساطیر اور علامت کا حوالہ نظم کو کامل بنا دیتا ہے۔ بعض اوقات کسی تخیل کی وضاحت میں بے شمار صفحات اور مضامین کم پڑ جاتے ہیں مگر خیال ،آمد کی تکمیلی اساس اگر ایک تلمیح یا اساطیر پر ٹھہر جاتی ہے تو مکمل واردات بھی سمجھ آنے لگتی ہے۔

منصف ہاشمی کے ہاں تو قدیم حوالے اور تاریخی آثار کے نئے طلوع ہوتے ہوئے معانی کثرت سے ہیں۔ان کے ہاں تخلیقی فضائیں ماضی اور اس کے اسرار یوں رچ بس گئے ہیں کہ ہم ان عناصر کے بغیر شاید ہی کوئی نظم تکمیل کے مرحلے سے گزرتے ہوئے دیکھیں:

فرشتوں کی طرح معصوم۔۔۔میرے ذہن کی غلام گردشوں میں
زینتِ قرار بن کر۔۔۔۔اعتبار کے لہجے میں رہتی تھی

جس طرح غزل نے تغزل کے بغیر روایتی غزل کا ہیولا ہمارے سامنے ادھورا رہ جاتا ہے اسی طرح منصف ہاشمی کے ہاں نثری نظم ،حکایت، من وتو کو وجدان آفرین لہجے میں ادا کرتی ہے کہ ہم دیگر عصر موجودات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ان کے ہاں نظم کی فضا کیف آفرین ہے۔ جہاں روح رقص کرتی ہے۔ جذبے اپنے گھنی بیلوں کے بن میں جھومتے ہیں۔ نشیلے چراغ جل اٹھتے ہیں۔ جہاں سایوں کا لہلہاتا عکس حقیقت بن جاتا ہے اور باقی ساری کائنات مدہوش ہو جاتی ہے۔لفظوں کی اس فنکاری اور مصرعوں کی تکنیک اور تخیل کی انفرادیت ان کے ہاں نثری نظم میں ایک اور ہی آسماں کو وا کر دیتی ہے، جہاں کسی دوسری پرواز کا پرتو نہیں ہوتا۔ یہ اعجاز منصف ہاشمی کی نظم کو حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد ہادی حسین،شاعری اور تخیل، لاہور،مجلسِ ترقی ادب،۲۰۰۵ء،ص۵۳
۲۔ عبدالسمیع،اردو میں نثری نظم،نئی دہلی،ادارہ تحقیق دریا گنج،۲۰۱۴ء،ص۳۱۴
۳۔ انیس ناگی،نثری نظم یا شاعری،مضمون مشمولہ ادبیات،اسلام آباد،شمارہ اکتوبر ۲۰۰۷،ص۲۵
۴۔ گوپی چند نارنگ،ادبی متغیر اور اسلوبیات، لاہور،سنگِ میل،پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص۳۱

فیض یابی

۱۔ تفسیر القرآن الکریم۔حافظ عبدالسلام
۲۔ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں۔غلام احمد پرویز
۳۔ تاریخ طبری۔علامہ طبری
۴۔ اساطیری تہذیبیں (تہران یونیورسٹی ایران)
۵۔ تاریخ ایران۔پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی
۶۔ تاریخ فلسفہ اور ثقافتی نظام۔پنڈت سوامی رائے نظام آبادی
۷۔ زرتشت نامہ (تہران یونیورسٹی ایران)
۸۔ ارداویراف نامہ۔ارتائی ویروف طبع تہران
۹۔ کنفیوشس، زرتشت اور اسلام۔احمد دیدات
۱۰۔ ابتدائی فلسفہ۔جان ہاسپرس
۱۱۔ مانویت (مانی مذہب) مسکونیہ ایرانی
۱۲۔ یونانی فلسفہ۔ڈبلیو۔ٹی۔سیٹس
۱۳۔ زیوس اور یونان۔مائیکل ایلفرڈ
۱۴۔ ویراف سروش اور آذر ایزد (ترجمہ)
۱۵۔ نشاط فلسفہ۔ول ڈیورافٹ
۱۶۔ تہذیبی عجائب اور انسانی ارتقا۔جان فرینکلین
۱۷ ایران کے قدیم ادبی شفاھی آثار
۱۸۔ ''الکامل''۔ابن اثیر
۱۹۔ ''البدیہ''۔ابن کثیر
۲۰۔ بلیس ابلیس۔علامہ ابن جوزی
۲۱۔ فلسفہ اور پران۔پنڈت شنکر اچاریہ
۲۲۔ عبرانی، سریانی مفکر۔پروفیسر سلبر۔تل ابیب یونیورسٹی۔
۲۳۔ تفسیر القرآن۔علامہ طالب جوہری
۲۴۔ تفسیر القرآن۔ڈاکٹر طاہر القادری
اس کے علاوہ زبور، تورات، انجیل مقدس، صحائف لانبیاءؑ

☆☆☆☆☆☆☆☆